

## فہرست مطالب

### اردو مقالات

- ۵ اردو افسانے پر پاکستانی ثقافتوں کے اثرات / ڈاکٹر ضیاء الحسن  
۱۷ حضرت میاں میرؒ کے مزار کی تعمیر..... داراشکوہ اور اورنگ زیب کی باہمی آویزش / ڈاکٹر طاہر رضا بخاری

### فارسی مقالات

- ۳۳ قصہ رسالو، کوکلا و ہودی سرودہ دونی چند را زیادہ / دکتر اعجاز احمد ندیم، دکتر محمد صابر  
۴۳ خیر اللہ فدا لاہوری شاعر سدہ دوازدهم قمری / دکتر محمد ناصر، امجد جاوید

### عربی مقالہ

- ۵۵ ذکر معجزات النبی ﷺ في الشعر العربي والأردی / سید قمر عباس، ڈاکٹر محمد سلیم اسماعیل

### پنجابی مقالات

- ۷۳ پنجابی شعر ریت دی ونک: کسب نامہ / ڈاکٹر عاصمہ قادری  
۹۳ اشفاق احمدی پنجابی افسانہ نگاری / اقبال حسین، ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد

### انگریزی مقالہ

## اردو افسانے پر پاکستانی ثقافتوں کے اثرات

ڈاکٹر ضیاء الحسن ☆

**Abstract:**

Short story is comparatively a new form of writing but its significant is even more than novel. Short stories reflect the culture, traditions and life styles of a particular age. In this article the scholar has analyzed the impact of local Pakistani cultural on Urdu short story writings.

**Key Words:** Urdu short story, Pakistani culture, impact and analysis.

کسی بھی معاشرے کے تمام تخلیقی افعال، رویے اور اظہار کے تمام پیرایے اس کی تہذیب و ثقافت سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب تہذیبیں بات کرنا چاہتی ہیں تو زبان پیدا ہوتی ہے اور جب تہذیبیں اپنے تخلیقی جوہر کا اظہار کرنا چاہتی ہیں تو ادب، فنونِ لطیفہ اور علم پیدا ہوتے ہیں۔ ہر سماجی سرگرمی کی طرح ادب بھی اجتماعیت اور کلیت کا پیش کار ہوتا ہے۔ اگرچہ تخلیقی عمل بہ ظاہر انفرادی نظر آتا ہے لیکن علامتی اظہار کی وجہ سے اجتماعیت کا حامل بھی ہو جاتا ہے۔ اگرچہ استعاراتی عمل کی وجہ سے شاعری ابہام کے پردے میں انسانی جوہر کے پنہاں رازوں کی امین ہوتی ہے لیکن اپنی لفظیات،

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

استعارات اور علائم و رموز میں پوری سماجی روداد بیان کرتی ہے۔ شاعری کی نسبت افسانوی نثر بیانیہ اسلوب کی حامل ہوتی ہے اور اسی باعث اسے سماجی دستاویز کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ فکشن کے سماجی عناصر کی طرف سب سے پہلے ترقی پسندوں نے نگاہ کی۔ اگرچہ افسانہ اپنی اصل میں انسانی باطن سے سروکار رکھتا ہے لیکن یہ انسانی باطن اپنا وجودی اظہار ایک خاص سماجی صورت حالات میں کرتا ہے، اس لیے کم کوش قاری اس کی سماجیت کی طرف زیادہ متوجہ رہتا ہے کیوں کہ افسانے کے سماجی عناصر تک رسائی کے لیے نہ کسی خاص ادبی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ زیادہ غور و فکر کی۔ افسانوی نثر کے مطالعے میں انسانی باطن کے مختلف اور متنوع رنگوں کی تلاش کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ سماجی مطالعہ ان رنگوں کی اپنے معروض سے ہم آہنگی تلاش کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔ سماجی مطالعہ میں اگرچہ سیاست مذہب، معاش بھی شامل ہیں لیکن ان سے زیادہ اہمیت ان تہذیبی اور ثقافتی عوامل کو حاصل ہوتی ہے جو انسانی شخصیت کی پرورش و پرداخت میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ انسانی شخصیت اس ثقافتی پس منظر میں نشوونما پاتی ہے جو از بس کہ ناگزیر ہوتا ہے اور جس کے بغیر انسانی باطن کا مطالعہ ممکن نہیں رہتا۔

پاکستانیت، پاکستانی ثقافت اور پاکستانی تہذیب کا سوال اگرچہ ہمارے دانش وروں نے قیام پاکستان سے بھی پہلے اٹھایا تھا لیکن قیام پاکستان کے بعد جوں جوں ہماری تاریخ آگے بڑھی یہ سوال سیاست کی بھینٹ چڑھتا گیا۔ ابتداً پاکستان میں شامل مختلف ثقافتوں اور ان کا اظہار کرنے والی زبانوں کو نظر انداز کرنے کی روش اپنائی گئی جس کے خلاف پہلا احتجاج مشرقی پاکستان سے کیا گیا۔ مشرقی پاکستان آبادی کے لحاظ سے مغربی پاکستان کا ہمسرتھا۔ پاکستان کی مقتدرہ نے ناعاقبت اندیشی سے وہاں اردو اور بنگالی کو ایک دوسرے کی حریف زبانوں کی صورت دے دی جس نے آگے چل کر بڑے مسائل کو جنم دیا اور آخر کار پاکستان کی طاقت و قوتوں کے غیر فطری فیصلوں کے نتیجے میں سقوط ڈھاکہ کا المیہ رونما ہوا اور پاکستان آدھا رہ گیا۔ ون یونٹ نے مغربی پاکستانی ثقافتوں کی شناخت کا سوال پیدا کیا جس کے خلاف سب سے زیادہ احتجاج سندھ سے ہوا اور بعض سندھی دانش

وروں کو اس ضمن میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔

ضیاء الحسنی مارشل لا کے دور میں خاص طور سے اسلام کو پاکستان کی پانچ ہزار سالہ ثقافت کے مقابل حریف کے طور پر کھڑا کرنے کے نتیجے میں کسی کو جواباً اپنا سلسلہ نسب راجا داہر سے قائم کرنا پڑا اور کسی کو کہنا پڑا کہ میں پانچ ہزار سال سے پختون، ایک ہزار سال سے مسلمان اور ساٹھ سال سے پاکستانی ہوں۔ ایک سیدھے سادے معاملے میں پیچیدگی اس لیے آئی کہ افغانستان میں امریکی مفادات کو پورا کرنے کے لیے مجاہدین کی ضرورت تھی جو اسلام کے تصور کے بغیر پورا ہونا ممکن نہیں تھی، یہ اور بات کہ مفادات کے حصول کے بعد وہی مجاہدین آج دہشت گرد قرار پائے ہیں۔ ذاتی اور امریکی مفادات پورے کرتے ہوئے ہم نے اپنی اصل کو نظر انداز کیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج علماء کرام ہمیں عربی چغہ پہنانے کی فکر میں ہیں۔ ہماری بد قسمتی یہ ہوئی کہ ہمارے عالم دین بھی بے شعور ہیں اور ہمیشہ مقتدرہ کے سیاسی مفادات کے مطابق اسلام کو ڈھالتے رہے ہیں۔ ضیاء الحق کو عربی پتوں والا اسلام درکار تھا کیوں کہ جہاد کا تصور قرون اولیٰ کے عرب مجاہدین سے جڑا ہوا تھا، اس لیے اسی کی دہائی میں ایسا ہی اسلام پاکستانیوں کو عطا کیا گیا۔ جب یہ اسلام امریکیوں کے مفادات کے خلاف ہوا تو لبرل ازم اور نیو صوفی ازم کے ساتھ مشرف مارشل لا آ گیا اور آج ہم اس مقام پر کھڑے ہیں جہاں بچے کھچے پاکستان کا وجود خطرے میں ہے۔ آج پاکستانی ثقافت کا مسئلہ اتنا سادہ نہیں رہ گیا جتنا ابتدائی سالوں میں تھا کیوں کہ اب اس پر سیاسی، معاشی، علاقائی، نسلی اور لسانی تعصبات کی گرد بیٹھ چکی ہے۔ اس گرد کو صاف کرنے کے لیے جس قدر خلوص، ایمان داری، دیانت داری، حب الوطنی، قوم پرستی اور انسانیت کی ضرورت ہے، وہ پینسٹھ سالہ سیاست ڈکار چکی ہے۔

اس موقع پر خیر پور یونیورسٹی سندھ نے یہ سوال ادب کے حوالے سے اٹھایا ہے۔ یہ سوال سیاسی، معاشی یا مذہبی حوالے سے اٹھایا بھی نہیں جاسکتا کیوں کہ انھی اداروں کے مکروہ جرائم کے نتیجے میں آج ہم اس صورت حال سے دوچار ہیں۔ ان اداروں نے پوری دنیا میں انسانی اقدار کو پامال کیا ہے اور ان حالات کی پیش بینی کی وجہ سے الیگزینڈر سولزے نستین نے بجا طور پر ادب کو مستقبل کی

انسانی اقدار کی بحالی کا واحد ذریعہ قرار دیا تھا۔!

اس پیش آگہی سے انسانیت نے تو کچھ زیادہ فائدہ نہیں اٹھایا لیکن دنیا کو اپنے بچوں میں جکڑ لینے کے خواہش مند مٹھی بھر انسان نما بھیڑیوں نے اپنے وسائل سے کام لیتے ہوئے غیر ادبی تحقیقی سرگرمیوں کو ادب کے طور پر پیش کیا، جس کی وجہ سے ادب اور غیر ادب کی تمیز باقی نہ رہی۔ انھوں نے صرف یہی نہیں کیا بلکہ تمام اعلیٰ تصورات، خیالات اور اقدار حیات کو کلیشے بنا دیا جس کی وجہ سے آج پوری انسانیت ہی دامن نظر آتی ہے اور انسانی مستقبل تاریک۔ یہ نہیں کہ حقیقی ادیبوں نے اپنی تخلیقی سرگرمیاں معطل کر دیں بلکہ یہ کیا گیا کہ انسانوں کی غالب اکثریت تک ایسے ادب کی رسائی کو ناممکن بنا دیا گیا۔ پہلے انھیں ڈائجسٹ، فیشن میگزین اور ٹی وی پروگرام دیے گئے اور آج ڈش انٹینا اور انٹرنیٹ۔ ان تمام وسائل سے حقیقی ادیبوں کو محروم رکھا گیا اور جعلی ادب، مذہب اور ثقافت کو ان کے ذریعے رواج دیا گیا۔

ادب کا بنیادی مسئلہ انسان اور انسانی اقدار ہیں۔ ادب ہزاروں سال سے غیر انسانی رویوں کے خلاف اپنا نقطہ نظر تسلسل سے پیش کرتا رہا ہے۔ پاکستانی ادب نے بھی اپنا یہ فریضہ مسلسل ادا کیا ہے۔ پاکستانی ادیبوں نے اپنی تحریروں میں جہاں پاکستانی فرد کے باطنی مکاشفات کو اپنا موضوع بنایا ہے وہاں اس فرد کو اس کے اصل ثقافتی پس منظر میں پیش کیا ہے۔ ان ادیبوں نے یہ کام نہ کسی جذباتیت سے انجام دیا ہے اور نہ اسے شعوری عمل بنایا ہے بلکہ فطری انداز میں اسے پیش کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف علاقوں میں تخلیق ہونے والے افسانوں میں ہمیں مختلف ثقافتوں کا اظہار نظر آتا ہے۔ ان ثقافتوں میں بعض افتراقات ہیں تو بعض اشتراکات بھی ہیں۔ یہ ثقافتیں انھی افتراقات و اشتراکات کے ساتھ مل کر ایک مشترک پاکستانی ثقافت کو تشکیل دیتی ہیں جس کا دائرہ دنیا کی کسی بھی ثقافت سے وسیع ہے۔ افسوس یہ ہے کہ بعض سیاسی مفادات نے ان افتراقات کو اختلافات بنا کر پیش کیا ہے لیکن ادیبوں نے ہر قسم کے تعصبات کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف و محض اصل کو پیش نظر رکھا ہے۔

اردو افسانہ ابتدا ہی سے اپنی تہذیب و ثقافت سے منسلک رہا ہے مثلاً پریم چند کے افسانے دیہاتی زندگی کے بیان اور بیدی کے افسانے سکھ ثقافت کے بیان کے ضمن میں مشہور ہیں۔ اسی طرح اردو افسانے کے پاکستانی دور میں احمد ندیم قاسمی کے افسانے دیہاتی زندگی کی پیشکش کے حوالے سے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ قاسمی صاحب وادی سون سکیسر کے گانوانگہ کے رہنے والے تھے، اس لیے ان کے ابتدائی افسانوں کا سارا ماحول اور ثقافتی حالات پوٹھوہار کے علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں جس میں پہاڑی علاقے کی ساری سنگلاخی صاف محسوس ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اس علاقائی فرق کے باوجود اس ثقافت میں اجنبیت نہیں ہے۔ اس علاقے کے رہنے والے پاکستان کے دیگر علاقوں میں رہنے والے انسانوں جیسی رسوم و رواج کے پابند ہیں۔ ان کا مزاج اور ذہنی ساکت انھی جیسی ہے۔

”اس شام جب میں سامان باندھ کر تیار ہو بیٹھا اور میری ہتھیلی پر شکر رکھ کر میری بخیریت واپسی کے لیے آنسوؤں کی سیلن سے ٹھٹھری دعائیں مانگ چکیں تو حویلی کے باہر مجھے گھنگھر وؤں کی آواز سنائی دی جس میں ایک گھٹی کی ٹنٹناہٹ بھی ریگ رہی تھی۔ اچانک ہش ہش کی مسلسل آوازوں سے امی چونک کر بولیں: اونٹ آ گیا میرے لال! اب سامان رکھو الے تسلی سے اور پھر اللہ کا نام لے کر چل دے۔ دیر ہوگئی تو کل سارا دن سٹیشن پر بیٹھنا پڑے گا۔ گاڑی صبح کی اذان ہوتے ہی نکل جاتی ہے“۔

اس اقتباس میں ہتھیلی پر شکر رکھ کر واپسی کی دعا مانگنا مختلف ہو سکتا ہے لیکن ایسی ہی کوئی نہ کوئی رسم رخصت پاکستان کے مختلف علاقوں کی ثقافتوں میں ہمیں مل جاتی ہے۔ اسی طرح دعا مانگنا، اللہ کا نام لے کر روانہ ہونا یا گاڑی کا صبح کی اذان کے وقت روانہ ہونا..... سب کے سب ثقافتی اظہارات ہیں۔ ان کے پیچھے مذہب ماخذ کے طور پر موجود ضرور ہے لیکن ہم انھیں مذہب قرار نہیں دے سکتے کیوں کہ مذہبی سرگرمیاں خاص طور پر عبادات ایک مختلف عمل ہے اور مخصوص طریقہ کار اور مقام کار کی متقاضی ہوتی ہیں جب کہ ثقافت کا تعلق روزمرہ کی پھیلی ہوئی زندگی سے ہے اور یہ خود کارانہ انداز میں معاشرتی زندگی میں دخیل ہوتی ہے۔ اس طرح کے مذہبی اظہارات کا ثقافت میں دخل فی الاصل

مذہب کی تخلیقی قوت کی نشان دہی کرتا ہے لیکن اصل قوت انجذاب ثقافت میں مضمر ہوتی ہے جو ایسے اظہارات میں ثقافتی معنویت پیدا کر کے ان کی قوت بڑھاتی رہتی ہے۔

اشفاق احمد کے افسانوں میں بھی پنجاب کی ثقافت کی جھلکیاں مل جاتی ہیں۔ انھوں نے لاہور کے ثقافتی مزاج کی پیشکش بہت بھرپور انداز میں کی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمارے دیہاتی گھرانوں کے اندر کے ماحول کے بیان میں بھی فنی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ اشفاق احمد کے ابتدائی افسانوں میں برصغیر کی مشترکہ ثقافت کے نقوش بھی اپنی انسانی دلکشی کے ساتھ محفوظ ہو گئے ہیں۔ بعد کے دور میں وہ پنجاب کے دیہات کی ثقافتی زندگی کی طرف زیادہ متوجہ رہے۔ ان افسانوں سے بھی صاف پتا چلتا ہے ثقافتی عناصر کے پس منظر میں مذہب اپنی قوت سے کارفرما ہوا ہے لیکن یہاں مذہب کے بعض عناصر ثقافتی معنویت حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کے شاہکار افسانہ گڈریا میں انھوں نے داؤد جی کی صورت میں جس کردار کو پیش کیا ہے وہ اس مشترکہ ثقافت کا نادر نمونہ ہے۔ اسی طرح ان کے افسانے ایلویرا کا ایک فلپش بیک حصہ قرآن پاک کی گھروں میں تعلیم کی ثقافتی اہمیت کو پیش کرتا ہے۔

”میں نے ایک نظر اپنے درخت کو دیکھا۔ کچھ اسی قسم کے نیم کے ایک پیڑ تلے میری نانی محلے کی لڑکیوں کو قرآن اور احوال الآخرت پڑھایا کرتی تھیں۔ لڑکیاں چادروں کی بکلیں مارے، ماتھے تک اوڑھنیاں کھینچے تلاوت کیا کرتیں، ہم۔ آستینیں چڑھائے اور نیکریں پہنے ان کے قریب سے گذرتے تو وہ ساری کی ساری رحل اپنے آنچل میں چھپا لیتیں“ ۳

ذکاء الرحمن کے افسانوں میں جنوبی پنجاب کی ثقافت کی واضح جھلکیاں ملتی ہیں۔ انھوں نے بہاولنگر اور ہارون آباد کے علاقوں کو قریب سے دیکھا ہے۔ یہ ریاستی علاقے اپنی ایک الگ تہذیبی شناخت رکھتے ہیں۔ یہاں بعض علاقے سرسبز و شاداب ہیں تو بعض علاقے صحرائی اور بنجر بھی ہیں جہاں پینے تک کو پانی میسر نہیں۔ عام آدمی غربت کے ساتھ ساتھ زندگی گزارنے کے ناگزیر وسائل تک سے محروم ہے۔ اس معاشی صورتِ حالات نے یہاں کی ثقافت پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ چنانچہ زندگی کی یہ سختی یہاں کے لوگوں کے مزاج اور گفتگو سے صاف جھلکتی ہے۔ لوگوں کا

گالیاں دے کر گفتگو کرنا یا بعض اوقات نارمل گفتگو میں بددعا سیے کلمات ادا کرنا ان کی بے آس زندگی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

”اگلے دن جب چن ڈھوک کے اُفق پر صبح کا تارا نمودار ہوا اور اونٹوں نے چارے کے لیے بلبلانا شروع کر دیا تو وہ اُٹھا اور حسب معمول اپنے توڈے کو چرانے باہر نکل گیا۔ رستے میں اسے ڈمرو مل گیا۔ وہ اس کا ہم عمر تھا اور چن ڈھوک کی سب سے زیادہ غصیلی ماں کا بیٹا تھا۔ وہ بھی اس وقت اپنے دو میمنوں کو چرانے باہر نکلا تھا۔ اس کے دل و دماغ پر اب تک اس اکیلی کوچ کا گھونسلہ چھایا ہوا تھا، چناں چہ اس نے چھوٹے ہی ڈمرو سے کہا: ”اُوئے ڈمرو! اُوئے ماں کچی تھیوے، مجھے ایک گھونسلہ ملا ہے۔ کسی اکیلی کوچ کا گھونسلہ“۔

اس مختصر اقتباس میں چن ڈھوک، اونٹ، توڈا، ڈمرو، میمن، کوچ، اور ماں کچی تھیوے نہ صرف لسانی اظہار ہے بل کہ ایک پوری ثقافتی فضا کو ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس علاقے کے ذریعہ معاش کے حوالے سے وہاں کی معاشی صورتِ حالات کو پیش کرتا ہے۔ وہاں کے جانوروں، پرندوں، افسانوں اور ان کے رویوں کو ہمارے سامنے لاتا ہے۔ ذکا صاحب کے افسانوں میں ایسے بے شمار مناظر بکھرے پڑے ہیں جن کی وجہ سے اردو زبان کی ایک نئی تہذیب پیدا ہوئی ہے۔ پنجاب کے مختلف حصوں سے تعلق رکھنے والے افسانہ نگاروں نے اپنے اپنے ثقافتی اظہارات سے نہ صرف اردو کے لسانی دائرے کو وسیع کیا ہے بل کہ اس کے ثقافتی دائرے کو بھی بڑھایا ہے اور اس زبان کو صحیح معنوں میں باہمی رابطے کی ایک مشترک زبان کی حیثیت دے دی ہے۔ یہ زبان مقامی زبانوں کی حریف نہیں ہے بل کہ انھی کی طاقت سے نشوونما پا کر پھلتی پھولتی ہے۔ اس نے سیاست دانوں کے ادنیٰ مفادات کی آلہ کار بننے کے بجائے وسیع قومی مقاصد کو پورا کیا ہے۔ اگرچہ چاروں صوبوں کے بعض معدودے چند لسانی مفکروں نے اسے حریف سمجھا ہے لیکن پاکستانی ادیبوں نے اپنی تخلیقی کاوشوں سے ان کے دعوؤں کو باطل ثابت کیا ہے۔

ساٹھ کی دہائی میں انتخاب جالب نے جس لسانی تشکیل کی تحریک آغاز کی، اگرچہ وہ اپنے سبھاؤ



میں بین الاقوامی نوعیت کی تھی لیکن اس کا ایک نقش قومی اہمیت کا حامل بھی تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اردو زبان میں پاکستان کے ہر خطے کی ثقافت کے رنگ ان کی زبانوں کے توسط سے شامل کرنے چاہئیں۔ یہ نئی تشکیل فی الاصل ابتدائی دکنی اردو کے زیادہ قریب تھی جس میں عربی، فارسی اور سنسکرت کے علاوہ دکن کی مقامی زبانوں کا ذخیرہ الفاظ بھی شامل تھا جس کا بڑا اثری ادبی نمونہ ملا وجہی کی سب رس تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اردو زبان کو فورٹ ولیم کالج اور انگریزوں کے قائم کردہ اس جیسے دیگر اداروں نے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا اور اردو زبان کو سادگی کے نام پر اس کے تہذیبی و ثقافتی مآخذ سے محروم کر دیا گیا۔ جس طرح ایک زمانے میں عربی و فارسی زبانیں اس خطے کے لوگوں کے لیے قابل فہم تھیں اور ان کی اثرات یافتہ اردو زبان قابل فہم تھی، اسی طرح آہستہ آہستہ یہ نو تشکیل شدہ زبان بھی پاکستانیوں کے لیے قابل فہم ہو جائے گی۔ یہ ایک علمی بحث ہے اور اس کے حق اور مخالفت میں دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن اس مضمون کی حد تک ہمارے پیش نظر اس تحریک کے سب سے فعال افسانہ نگار سمیع آہو جا کا تخلیقی کام ہے جس میں انھوں نے اس لسانی تجربے سے خوب کام لیا ہے۔ ان کے افسانوں میں ہمیں بنگالی، پنجتون، بلوچی، سندھی، سرائیکی اور پنجابی ثقافتوں اور زبانوں کے آثار ایک ملغوبے کی صورت میں ملتے ہیں۔ میں نے انھیں ملغوبہ اس لیے کہا ہے کیوں کہ یہ تجربہ آگے نہیں چل سکا اور اپنے خدو خال نمایاں نہیں کر سکا لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا کہ مختلف علاقوں میں لکھی جانے والی اردو زبان میں مقامی ثقافتی و لسانی اثرات شامل کرنے کی جرأت پیدا ہوئی اور پاکستان میں لکھی اور بولی جانے والی اردو زبان اپنے ثقافتی و لسانی دائرے بڑھاتی چلی گئی۔ اب ہمیں پنجاب کے مختلف علاقوں میں لکھے ہوئے افسانوں میں ان علاقوں کے اثرات صاف محسوس ہوتے ہیں، اگرچہ ان علاقوں میں اردو میں لکھنے والوں نے انتخاب میں زیادہ ہوش مندی کا ثبوت دیا اور معیار و مقدار دونوں حوالوں سے اپنے تخلیقی شعور کا زیادہ متوازن استعمال کیا ہے۔ یہی صورتِ حالات ہمیں سندھ، بلوچستان اور خیبر پنجتون خواہ میں تخلیق ہونے والے ادب میں بھی نظر آتی ہے۔ سمیع آہو جا کے افسانے ”بشونہ مصطفیٰ“ میں بنگالی زبان و ثقافت اور ”واب بند“، ”عطسہ گرد“ میں بلوچی زبان

و ثقافت کا رنگ نمایاں ہے۔

”تین گائیں اور بھیڑ بکریوں کا بکھرا ہوا ریوڑ، اور اک اونچے ریتلے ٹیلے پر کالی چادر کی ڈھیلی ڈھالی بنگل میں روپوش لڑکی لمبی لکڑی پر دونوں ہاتھ جمائے بیٹھی، نظروں کے جال میں گایوں اور اک اک بھیڑ بکری کو جکڑے، دھیمی دھیمی سی رسیلی گنگناہٹ، ریگ زار میں مٹکتی.....، سکیں پوزو شنکیں مہپر، چو، دست و نہایت زامری ترنجے، ہاں اور درنگاں آبشاں.....“

”ہر ضرب پر اُس کے منہ سے دُعا میں تھڑی چیخ۔ کے واب و کے آگا، بندہ واب و خدا آگا، لا

الہ الا اللہ رسول منی بزرگ، پر دامبات“۔

”مگر پت! یہ تمہارا داماد!!! گے گے کیسے؟“

”پچی منی، جو شخص کسی کنواری کا گنیز ڈھانپنے وہی داماد ہوتا ہے“۔

یہ محض زبان نہیں ہے بل کہ گیت ہیں جن میں صدیوں کی روح کر لاتی ہے، دعائیں ہیں جن میں محرمیاں اپنا عکس دکھاتی ہیں یا لوک دانش ہے جو رسوم و رواج اور روایتوں کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ یقیناً اس نے زبان کا دامن بھی وسیع کیا ہے اور اس کا کچھ حصہ زبان میں اپنی مستقل جگہ بنا لے گا۔

سندھ اور خصوصاً کراچی کے افسانہ نگاروں کے تخلیقی کام میں سندھ کی روح مختلف لفظوں اور رویوں کے ذریعے صورت پذیر ہوئی ہے۔ ہمارے سرزمین سندھ سے تعلق رکھنے والے افسانہ نگاروں کے کام میں کبھی کرداروں اور ان کے مکالموں میں، کبھی مناظر میں اور کبھی فضا اور ماحول کے ذریعے سندھی ثقافت جلوہ گر رہی، کوئی افسانہ نگار ایسا ہونہیں سکتا جو کسی خاص ماحول میں لکھ رہا ہو اور اس سے اثر پذیر نہ ہو رہا ہو۔ یہ کوئی شعوری رد و قبول کا مرحلہ نہیں ہوتا کہ اسے اختیار کر لیا جائے یا ترک کر دیا جائے بل کہ یہ تخلیقی عمل کا حصہ بن کر خود بخود اپنا اظہار کرتا ہے۔ اسد محمد خان اور حسن منظر کا شمار موجودہ دور کے نمایاں افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کے ہاں تہذیبی رنگا رنگی ہے۔ خالص اردو کی تہذیبی فضا کے علاوہ اسد محمد خان نے شیر شاہی دور کی ہند اسلامی ثقافت کی بازیافت بھی کی ہے اور

اس کے ساتھ ساتھ اپنے موجودہ منظر نامے سے بھی تخلیقی سطح پر کسب فیض کیا ہے۔ اسی طرح حسن منظر کے ہاں بھی دنیا کے مختلف خطوں جہاں انہوں نے زندگی گزاری، کے ثقافتی اظہار کے ساتھ ساتھ سندھ کی ثقافت کا بھی بڑا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ کہیں یہ پس منظر کا کام دیتا ہے، کہیں مجموعی فضا کا حصہ ہے اور کہیں کہیں سطح پر بھی مل جاتا ہے۔

”عورت بال جھٹکے جا رہی تھی اور اس مشقت سے اس کے لفظ ٹوٹ ٹوٹ جاتے تھے۔ گھب را..... نہیں..... دوائی دیں..... گے تیرے کو..... چا پلائیں گے..... ہاں..... پرے سان مت ہو۔ وہ اپنی مصروفیت ختم کر کے بستر کی پائنتی سے سامنے آئی تو سستے صابن کی صاف ستھری خوشبو اس کے ساتھ آئی۔ خوب چمک دار سفید دانت لشکاتی، مسکراتی ہوئی ایک سانولی صحت مند جوان عورت میگو اڑوں کا گھا گھراشلو کا پہنے، تولیے سے بال رگڑتی سامنے کرسی پر آ بیٹھی، بولی: کیسا ہے ابی، صی ہے۔ میں نے آہستہ سے کہا: ہاں، بھوکھ لگی ہوئیں گی تیرے کو۔ روٹی مانی بھی کھلائیں گی..... پھکر نہیں کر“ ۸ (جو کہانیاں لکھیں، ص ۶۱۸)

”یہ لوگ گفتگو میں جس طرح سلام کرنے کے عادی ہیں، اس طرح اللہ اور ان شاء اللہ بھی ان کی زبان سے دن رات نکلتا رہتا ہے اور اس پر انہیں کوئی نہیں ٹوکتا۔ ایسے سے میں اکثر ان کے مسلمان پڑوسی پر سول کو سمجھا بھجا کر اپنے گھر لے جاتے ہیں۔ کوئی اسے تعویذ لاکر پہناتا ہے، کوئی پانوں کے انگوٹھوں اور کلانیوں پر سیاہ دھاگا باندھتا ہے اور کوئی عورت کسی مزار کا پڑھا ہوا پانی اسے ہزار منتوں سے پلاتی ہے اور پر سول جو کھانے پینے میں قطعاً ویشنو ہے، اس کے گلاس کا پانی بالآخر پی ہی لیتا ہے“ ۹۔ (ربائی، ص ۴۱)

حسن منظر کے افسانوی اقتباس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ثقافتی اظہار اس قدر طاقت ور ہوتے ہیں کہ مذہب و ملت کے فرق پر بھی غالب آ جاتے ہیں۔ اس ثقافتی رنگ کو سندھ اور بلوچستان میں دیکھا جا سکتا ہے جہاں آج بھی ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد آباد ہے اور جسے سندھی یا بلوچی ثقافت سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اپنی مذہبی کتابیں بھی سندھی زبان میں پڑھتے ہیں اور روزمرہ

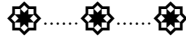
زندگی میں مسلمان سندھیوں کی طرح عمل کرتے ہیں اور انھی کی طرح سندھی رسوم و رواج اور مزاج و عادات میں بندھے ہیں۔ اس حقیقت کا اظہار ہر طرح کے تعصب سے بالاتر ہو کر صرف ادب ہی کر سکتا ہے اور ہمیں اس سچ سے روشناس کروا سکتا ہے کہ ثقافت اپنی جغرافیائی حدود میں بعض اوقات مذہب پر بھی غالب آجاتی ہے۔ اس سچ کو ہمارے علما کرام مذہب کی تکذیب سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں مذہب اور ثقافت کی کشمکش نظر آتی ہے۔ ہمارے علما کرام نے غلطی سے مذہب کی طرح ثقافت کو بھی عرب سے مخصوص سمجھ لیا ہے اور عربی ثقافت کو پاکستانی ثقافت بنا دینا چاہتے ہیں لیکن مذہب اور علما کرام کے تمام تر احترام کے باوجود لوگ اپنی ثقافت سے محروم نہیں ہونا چاہتے کیوں کہ اس میں ان کی صدیوں کی روح اپنا رنگ دکھاتی ہے اور یہ ان کے اجتماعی تجربے اور حافظے کا حاصل ہے۔

ادب اور خصوصاً فکشن کرداروں یا انسانوں کو ان کے ثقافتی ماحول میں دیکھنے اور سمجھنے کی سعی کرتا ہے۔ ادب انسانی باطن کا فطری اظہار ہے اور ثقافت بھی انسانی تجربے کی صداقت کا فطری اظہار ہے۔ اگرچہ یہ سب کچھ شاعری میں بھی دیکھا جاسکتا ہے لیکن شاعری میں اس کا اظہار علامتی و استعاراتی ہوتا ہے، اس لیے اس کی ثقافتی معنویت تک صرف تر بیت یافتہ قاری کی رسائی ہی ممکن ہو پاتی ہے لیکن فکشن بیانیہ اظہار کی وجہ سے ہر آدمی کا تجربہ بن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ دو صدیوں کے دوران میں شاعری سے زیادہ افسانوی نثر نے قارئین کی توجہ اپنی طرف مبذول کروائی ہے۔ اردو افسانے نے بھی اپنی اس ثقافتی ذمہ داری سے پہلو تہی نہیں کی ہے جس کی وجہ سے اردو کا لسانی اور تہذیبی و ثقافتی دائرہ روز بروز بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔



## حواشی

- ۱۔ الیکزینڈر سولزے نستقن، نوبل خطبہ، ترجمہ: سجاد باقر رضوی، سویرالاہور، شمارہ نمبر، ص
- ۲۔ احمد ندیم قاسمی، مجموعہ احمد ندیم قاسمی جلد اول، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۳۹
- ۳۔ اشفاق احمد، گڈریا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص:
- ۴۔ ذکاء الرحمن، ذکاء الرحمن کے افسانے، کلاسیک لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۲۵
- ۵۔ سمیع آہوجا، طلسم دہشت، ملٹی میڈیا فیئرز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۱۴
- ۶۔ سمیع آہوجا، طلسم دہشت، ملٹی میڈیا فیئرز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۸۸
- ۷۔ سمیع آہوجا، طلسم دہشت، ملٹی میڈیا فیئرز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۸۹
- ۸۔ اسد محمد خان، جو کہانیاں لکھیں، اکادمی بازیافت کراچی، ستمبر ۲۰۰۶ء، ص ۶۱۸
- ۹۔ حسن منظر، ربائی، شہزاد کراچی، ۲۰۰۸ء، ص ۱۴



## حضرت میاں میر کے مزار کی تعمیر..... داراشکوہ اور اورنگ زیب کی باہمی آویزش

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری ☆

### Abstract:

Islam spreaded in subcontinent in the result of the sincere and untiring efforts of Sufis and Mystics. Hazrat Mian Meer is one of the significant Sufis who served Islam in the region of Lahore. It was a period of anarchy. Aurangzeb Alamgir and Dara Shokuh, the two sons of Shah Jahan, were the main contenders of the Mughal Empire. Dara Shokuh was the disciple of Hazrat Mian Meer. In this article the construction of tomb of Hazrat Mian Meer, in relevance with the on going conspiracies, has been discussed.

**Key Word:** Subcontinent, Islam, Mysticism Hazrat Mian Meer, the construction of his tomb.

برصغیر کی تاریخ تصوف اپنے اندر علوم و معارف کے کئی جہاں آباد کیے ہوئے ہے۔ بلاشبہ صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے احوال و مقامات اس خطہ کی فکری، دینی اور تہذیبی تاریخ کا ایسا سنہرا باب ہیں، جس سے اس دور کے معاشرتی حالات، سیاسی رجحانات، ادبی تحریکات اور مذہبی افکار سمیت مختلف امور سے آگاہی میسر آتی ہے۔ ”تاریخ نویسی“ اور ”تاریخ نگاری“ کے حوالے سے جن کا جاننا از حد ضروری ہے۔ لفظ تاریخ (History) کا معنی ہے ”علم اور سچائی کی تلاش“۔ ”دریافت کرنے کے لیے تلاش کا عمل“۔ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی اپنی معروف تصنیف ”تاریخ التاریخ“ میں لکھتے ہیں کہ تاریخ کا موضوع ہے ”انسان“ اور ”زمان“۔ (۱)

☆ ڈائریکٹر جنرل، محکمہ مذہبی امور و اوقاف پنجاب

تاریخ درحقیقت وہ فن ہے جس میں سارے زمانے کے واقعات سے متعلق بحث کی جاتی ہے۔ تاریخ گذشتہ حالات و واقعات کا ایسا مربوط اور مؤثر بیان یا ان کی وضاحت ہوتی ہے، جس کو صداقت اور دیانت کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں جانچ اور پرکھ سے گزار کر تنقیدی زاویہ نگاہ سے لکھا جاتا ہے۔ تاریخ نویسی میں یہ امر بھی بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے کہ اس میں گذشتہ حالات و واقعات کو ان کے معاشرتی، عمرانی اور فکری پس منظر میں دیکھنا ہوتا ہے۔ تاریخ کا میدان اتنا ہی وسیع ہے جتنا انسانی زندگی کا دائرہ۔ اس کا اگرچہ تمام تر تعلق ماضی کے واقعات سے ہے، تاہم انسانی زندگی سے بھرپور ربط کے سبب، ان احوال و واقعات سے بہت کچھ سیکھا جاسکتا ہے۔ ماضی کو سامنے رکھ کر حال کے مسائل کا حل اور مستقبل کے بارے میں جامع لائحہ عمل اور مؤثر حکمت عملی مرتب کی جاسکتی ہے۔

تاریخ نویسی اور تاریخ نگاری میں مختلف حالات و واقعات کو تاریخی تناظر میں جانچنے کے ساتھ ساتھ ان کو اس طرح بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص فکری اور معاشرتی ماحول میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کا ظہور الگ حیثیت سے نہیں، بلکہ فکری اور معاشرتی عمل ہی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ کسی فرد کے سوانحی حالات بھی اسی وقت تاریخ میں معتبر ہوتے ہیں جب وہ اپنے زمانے کے معاشرتی، سیاسی اور فکری تناظر کے ساتھ زیر بحث لائے جائیں اور صحیح نتائج کا حصول بھی اسی طرح ہی ممکن ہے۔

ہمارا زیر بحث موضوع بھی تاریخی اور تحقیقی اعتبار سے ایسی ہی حیثیت کا حامل ہے۔ بادی النظر میں کسی بھی سلطنت کے کسی بڑے شاہی تعمیراتی منصوبے کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ میٹرل کی فراہمی ترجیحات و اہداف میں اہم مگر سادہ سی بات ہے، جس کے حصول کو کسی بھی جگہ سے ممکن بنایا جاتا ہے۔ تاہم بعض اوقات یہ معاشرتی، سیاسی اور فکری تناظر ہی، اس دور کے مختلف روٹیوں تک رسائی کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔ بادشاہی مسجد اور نگ زیب عالمگیر کے حکم سے تعمیر ہوئی، جو اس کے عہد کے چند عظیم ترین کاموں میں سے ایک ہے۔ محققین اور مورخین نے اس کی تعمیر میں استعمال ہونے والا "سنگ سرخ" جسے "سنگ خارا" کا نام بھی دیا گیا ہے اور جو اپنی خوبصورتی اور دلآویزی کے سبب اپنے اندر ایک منفرد حسن و کشش رکھتا ہے، کے بارے میں مختلف آراء کا اظہار کیا ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا

ہے کہ اس پتھر کے یہاں استعمال کے کچھ ایسے عوامل بھی تاریخ نگاروں کی نظر میں ہیں جن تک عام قارئین کی نگاہ نہیں پہنچتی۔ معتبر اور مسلمہ تاریخ نگار اس امر پر متفق ہیں کہ بادشاہی مسجد میں استعمال ہونے والا یہ سنگ سرخ حضرت میاں میر کے دربار کے تعمیراتی و توسیعی منصوبہ جات کے لیے شہزادہ داراشکوہ نے لاہور میں اکٹھا کروایا تھا۔ اس کو موت نے آن لیا اور یوں اس کا یہ منصوبہ مکمل نہ ہو سکا۔ شہزادہ داراشکوہ جو کہ شاہجہاں کا سب سے بڑا بیٹا تھا، ۲۰ مارچ ۱۶۱۵ء کو ممتاز محل کے لطن سے پیدا ہوا، قصیدہ گو شعراء نے "گلِ اولین گلستان شاہی" سے موسوم کیا۔ "رود کوثر" کے مطابق:

"داراشکوہ شاہجہاں کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ ایک مدت تک شاہجہاں کے ہاں بیٹیاں پیدا ہوتی رہیں۔ اسے اولاد زینہ کی بڑی خواہش تھی۔ چنانچہ اس نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی درگاہ عالیہ پر حاضر ہو کر دُعا کی اور نذر و نیاز مانی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد داراشکوہ بمقام اجمیر پیدا ہوا۔"

داراشکوہ کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام کیا گیا۔ اُس کے ایک استاد میرک شیخ جن کے بارے میں داراشکوہ "سکینۃ الاولیاء" میں لکھتا ہے کہ حضرت اخوند میرک شیخ علم ظاہر کے استاد اور عالم و فاضل ہیں۔ زُہد و پرہیزگاری اور حق گوئی میں ان کا قدم نہایت استوار ہے۔ میرک شیخ اس زمانے کے جید عالم اور داراشکوہ کے ادبیات فارسی و عربی، تفسیر اور علوم متداولہ کے حوالے سے خصوصی استاد تھے۔ یہ بات بھی خصوصی توجہ کی حامل ہے کہ میرک شیخ کے علم اور زُہد کے سبب اوائل عمر میں ہی داراشکوہ انہیں اپنا روحانی مربی سمجھنے لگا تھا۔ یوں داراشکوہ، بالواسطہ طور پر حضرت میاں میر سے فیض یاب ہونے لگا، جس کا اثر ساری زندگی اس پر رہا۔ داراشکوہ کو اپنے والد بزرگوار شاہجہاں، جن کو حضرت میاں میر کے ساتھ بہت عقیدت تھی، کے ہمراہ حضرت میاں میر کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے بھی مواقع میسر آئے۔ داراشکوہ کو آپ کی بارگاہ میں پہلی مرتبہ ۱۶۳۴ء، دوسری مرتبہ اس کے دو دن بعد اور پھر کشمیر سے واپسی پر دسمبر ۱۶۳۴ء میں حاضری میسر آئی۔ گویا حضرت میاں میر کی دربار میں حاضری کے وقت داراشکوہ کی عمر تقریباً انیس سال تھی۔ ۱۶۳۵ء میں جب شاہجہاں لاہور میں قیام پذیر تھا تو داراشکوہ کو حضرت میاں میر کی صحبت فیض اثر اکثر میسر آتی، جس سے وہ روحانی زندگی کی طرف مائل ہوا۔ انہیں کی صحبت میں حضرت ملاشاہ بدخشی سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا۔



داراشکوہ لکھتا ہے کہ اپنے والد گرامی شاہجہاں کے ساتھ، حضرت کے حجرہ عالیہ میں حاضر ہوا تو آپؐ نے بادشاہ سے فرمایا:

"عادل بادشاہ کو اپنی رعیت اور سلطنت کی خبر گیری کرنی اور تمام ہمت اپنی ولایت کی آبادی و سرسبزی میں صرف کرنی چاہیے کیونکہ اگر رعیت آسودہ اور ملک آباد ہے تو سپاہ آسودہ اور خزانہ پُر رہے گا۔"

ازاں بعد بادشاہ سے میری علالت کی کیفیت سن کر مجھے پانی دم کر کے دیا، جس سے ایک ہفتہ میں مجھے صحت کامل ہو گئی۔

صاحبِ رود کوثر کے یہ الفاظ زیادہ جامع محسوس ہوتے ہیں:

"اس کی روحانی نشوونما کی بسم اللہ شاید اُس دن ہوئی جب ۲۵ فروری ۱۶۳۴ء کو شاہجہاں اسے لے کر حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے التجا کی کہ وہ اس کی صحت کے لیے دعا کریں، اس وقت دارا کی عمر انیس سال کی تھی اور اگرچہ اس کے عقائد اور تاثرات کا اس وقت کوئی ذکر نہیں ملتا، لیکن قرین قیاس ہے کہ صحت پا جانے پر جسے وہ حضرتؒ کی کرامات پر محمول کرتا ہے، اس کی عقیدت اہل اللہ سے ضرور بڑھ گئی ہوگی۔ اس کے دس مہینے بعد جب دسمبر ۱۶۳۴ء کو شاہجہاں حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو داراشکوہ اس کے ہمراہ تھا اور اس وقت دارا کی عقیدت مندی کی یہ حالت تھی کہ وہ حضرتؒ کے مکان کی دوسری منزل میں جہاں حضرت کا قیام تھا، برہنہ پا گیا اور جو لوگ وہ چبا چبا کر پھینکتے جاتے تھے انہیں اٹھا کر کھاتا رہا۔ اس کے بعد جب بادشاہ چلا گیا تو داراشکوہ تہا شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ وہ بھی دیر تک اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے رہے اور اس کے حق میں دعا کی۔"

اس کے اگلے سال حضرت میاں میرؒ کی تو وفات ہو گئی لیکن جو چنگاری دارا کے دل میں جا لگی تھی، وہ برابر سلگتی رہی۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت کی وفات کے بعد انہوں نے غائبانہ طور پر مجھے مشاہدہ اور مراقبہ سکھایا اور ان کی وجہ سے مجھے لیلۃ القدر کی زیارت ہوئی۔

داراشکوہ حضرت میاں میر سے بیعت ہونے کا شرف حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن اس سال یعنی ۱۶۳۵ء میں حضرت کا وصال ہو گیا اور اس کی مراد بر نہ آسکی۔ چنانچہ پانچ سال بعد، حضرت میاں میر کے مرید، خلیفہ اور قادری سلسلے کے شیخ حضرت ملا شاہ بدخشی کے ہاتھ پر ۱۶۴۰ء میں بیعت ہوا۔ (۲) حضرت میاں میر کے وصال کے وقت داراشکوہ کی عمر تقریباً بیس سال تھی۔ وہ خود لکھتا ہے کہ حضرت کے وصال کے وقت اکبر آباد (آگرہ) میں تھا۔ پچھلی شب خواب دیکھا کہ حضرت میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوں اور حضرت بعض نصیحتیں کر کے فرماتے ہیں کہ "تو ہماری نماز جنازہ ادا کر"۔ اس خواب سے طبیعت سخت مضطرب اور اداس ہو گئی، اپنے محبوب شیخ اور مربی کا یوں دنیا سے اٹھ جانا کسی بڑے سانحے سے کم نہ تھا۔ رنج و الم کی کیفیت طاری تھی کہ چند ہی روز میں لاہور سے یہ المناک خبر سنی کہ عین اسی دن اور اسی وقت، جب داراشکوہ، خواب میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا، حضرت میاں میر دنیا سے وصال فرما گئے۔ (۳)

"تحقیقات چشتی" کے مطابق حضرت میاں میر کی خانقاہ سے متصل ایک موضع ہاشم پورہ آباد تھا، جس میں ڈھوڑی راجپوت برادری کی اکثریت آباد تھی، جو کہ شاہی دربار تک رسائی اور کثیر دولت و ثروت کے حامل تھے۔ داراشکوہ نے ذاتی دلچسپی اور بڑی محنت سے یہ تمام زمین، جہاں اب چار دیواری ہے، ان لوگوں سے انتہائی قیمتی نرخوں پر صرف اس لیے حاصل کی کہ بعد ازاں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ داراشکوہ نے بزور حکومت یہ زمین حاصل کر کے خانقاہ میں شامل کر دی۔ مزار شریف اور خانقاہ کی تعمیر عالیشان انداز میں کر کے، داراشکوہ نے حضرت میاں میر کے خواہر زادے محمد شریف کے سپرد کر دی۔ اس میں کوئی شک نہیں حضرت میاں میر کے مقبرہ و متعلقہ عالیشان عمارات جو کہ سنگ سرخ و سنگ مرمر سے مزین ہیں، داراشکوہ ہی کی تعمیر کردہ ہیں۔ اگرچہ ان تعمیرات میں بعد ازاں اورنگ زیب نے بھی اپنا حصہ ڈالا اور اپنے عہد میں سابقہ زیر تکمیل منصوبے کو عملی شکل دی۔ تاہم تاریخ نگار اس امر پر متفق ہیں کہ جملہ عمارات کی بنیاد داراشکوہ ہی نے رکھی۔ بالخصوص جب مقبرہ وغیرہ کی چار دیواری قد آدم ہو گئی تو داراشکوہ جہاں فانی سے کوچ کر گئے۔ اس حادثے کے سبب تعمیرات کا سلسلہ رکا رہا۔ بالخصوص اس کا منصوبہ جس کے لیے اس نے بہت اسباب عمارت اور پتھر وغیرہ اکٹھا کروایا تھا وہ یہ تھا کہ "شاہی قلعہ سے حضرت میاں میر کے دربار تک "سنگ سرخ کی ایک سڑک تعمیر

کروائے جس پر "پابہنہ" چل کر روزانہ حضرت کے مقبرہ پر حاضری کی سعادت حاصل کر سکے۔ اس عظیم منصوبے کے لیے جو بیش قیمت اور بعد اذکثیر تعمیراتی میٹرل اکٹھا کیا گیا تھا اورنگ زیب نے اس کو یہاں سے اٹھوایا اور قلعہ کے مغربی جانب عظیم الشان بادشاہی مسجد تعمیر کروائی۔ (۴)

تاریخ نگار اورنگ زیب اور داراشکوہ کے اختلافات کو، اورنگ زیب اور شاہجہان کے درمیان جاری کشمکش سے کہیں زیادہ گہرا قرار دیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شاہجہان اپنے تاج و تخت کے حوالے سے داراشکوہ کو واضح ترجیح دیتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ یہ معاملہ بغیر کسی خانہ جنگی کے طے پا جائے۔ تاج و تخت کا حصول اور اس کا علی الاعلان دعویٰ دونوں بھائیوں کے اختلاف کی بنیاد تھا۔ بایں وجہ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور جان کے دشمن تھے۔ علاوہ ازیں ان کا اختلاف فقط ذاتی مقاصد و خواہشات کی حد تک بھی محدود نہ تھا بلکہ ان کے درمیان ان کے مزاج، اطوار، عقائد اور رجحانات کے اعتبار سے بھی بعد المشرقین تھا۔ داراشکوہ اور اورنگ زیب دونوں مذہبی آدمی تھے لیکن ان کے مذہبی رجحانات میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ داراشکوہ وسیع المشرب جب کہ اورنگ زیب متشرع بلکہ بنیاد پرست علماء کا پیرو تھا۔

بلاشبہ برصغیر کی متصوفانہ تاریخ میں یہ عہد قادری سلسلے کے عروج اور شخصی طور پر حضرت میاں میر کی روحانی سطوت کا دور تھا۔ حضرت میاں میر اور ان کے خلفاء کی عنایات کے سبب، داراشکوہ کو قادری سلسلے کے بزرگوں، خانقاہوں اور متعلقین کی خصوصی اعانت میسر تھی اور وہ مستقبل میں داراشکوہ کی حکومت اور اقتدار کے لیے دعا گو رہتے جن میں مولانا شاہ بدخشی قادری، شیخ محبت اللہ بہاری اور سردمدار جیسی ہستیاں خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ سلطنت کے حالات داراشکوہ کے موافق نہ رہے، اور ۱۶۵۸ء کو اورنگ زیب تخت شاہی پر متمکن ہوا۔ سردمدار قتل ہو گیا جب کہ دارا کے پیرومرشد مولانا شاہ بدخشی نے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔ بایں وجہ داراشکوہ کے جاری تعمیراتی منصوبوں کا متاثر ہونا بھی ایک فطری عمل تھا جن میں حضرت میاں میر کے مزار کی تعمیر بطور خاص قابل ذکر ہے۔

کنہیا لال ہندی نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ داراشکوہ کی موت کی وجہ سے خانقاہ کی تعمیر میں تعطل آ گیا تو درگاہ سے منسلک خاندان اور احباب و متوسلین اورنگ زیب عالمگیر کی خدمت میں حاضر ہو کر

طاہر رضا بخاری / حضرت میاں میر کے مزار کی تعمیر..... داراشکوہ اور اورنگ زیب کی باہمی آویزش ۲۳

عرضگدار ہوئے اور تعمیراتی تاخیر اور تعطل کی بابت شکوہ پیش کیا، جس کے سبب یہ تعمیر دوبارہ شروع ہوئی تاہم یہ مقبرہ اور خانقاہ جس انداز میں داراشکوہ چاہتا تھا وہ نہ بن سکا۔ (۵)

مؤرخ لاہور، میاں محمد دین کلیم قادری، حضرت میاں میر کے حوالے سے اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں کہ حضرت میاں میر کے مقبرہ، خانقاہ عالیہ، چار دیواری اور مسجد وغیرہ شہزادہ داراشکوہ نے تعمیر کروائی، مقبرے کا چبوترہ 26x26 قدم ہے، جو مکمل طور پر سنگ مرمر سے تعمیر شدہ ہے۔ شمال اور جنوب کی طرف سیڑھیاں سنگ مرمر کی ہیں اور چبوترے کے درمیان مقبرہ کی عمارت ہے جس کا ایک زینہ سنگ مرمر کا اور چوکھٹ سنگ سرخ کی ہے۔ اندرون مقبرہ کا تمام فرش سنگ مرمر کا ہے جس میں سنگ موسیٰ اور سنگ سیاہ کی گل کاری ہے۔ اس مقبرہ کے تین اطراف محرابیں قالبوتی اور اندرونی عمارت میں قد آدم سنگ مرمر لگایا گیا ہے۔ گنبد کی چھت شیشہ کے کام سے منقش ہے۔ آپ کے مزار کے احاطہ کی غربی دیوار کے درمیان تعمیر شدہ مسجد بھی داراشکوہ کی تعمیر کردہ ہے۔ میاں محمد دین کلیم مزید لکھتے ہیں کہ شہزادہ داراشکوہ نے حضرت میاں میر اور حضرت ملاً شاہ بدخشی جو شہزادے کے پیر و مرشد تھے، کی خانقاہیں اور مقابر لاہور میں تعمیر کرائے تھے اور اس کی یہ خواہش تھی کہ شاہی قلعہ لاہور سے ایک سڑک آپ کے مزار اقدس تک بنوائی جائے اور خود پیادہ پا حضور کے مزار پر انوار پر حاضری دینے کی سعادت حاصل کر سکے۔ اس غرض سے اس نے "کثیر التعداد قیمتی پتھر از قسم سنگ مرمر اور سنگ سرخ" باہر سے منگوائے۔ لیکن افسوس کہ زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے، اس کی یہ نیک آرزوئیں دل کی دل میں ہی رہ گئیں۔ اورنگ زیب عالمگیر نے تینوں حقیقی بھائیوں (شہزادہ داراشکوہ، شہزادہ مراد اور شہزادہ شجاع) کو قتل کر کے اور والد شاہ جہان کو قید کر کے ہندوستان کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اورنگ زیب نے سڑک کی تعمیر کو فضول قرار دیتے ہوئے شاہی قلعہ لاہور کے بالمقابل ایک نہایت عظیم الشان مسجد بنانے کا حکم صادر فرمایا اور اس طرح وہ تمام پتھر اور سامان عمارت جو سڑک کی تعمیر پر خرچ ہونا تھا۔ اس سے دنیا کی ایک بڑی اور عظیم الشان جامع مسجد تعمیر ہوگئی۔ (۶)

سید محمد لطیف (شمس العلماء، خان بہادر، رنج) اپنی شہرہ آفاق تصنیف "تاریخ لاہور" میں "بادشاہی مسجد" کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں کہ:

"اس مسجد کا پتھر دراصل داراشکوہ نے اپنے روحانی پیشوا حضرت میاں میر کی قبر پر مقبرہ تعمیر کرنے کے لیے اکٹھا کیا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ اپنے منصوبہ کو عملی

جامہ پہناتا، اس کے چالاک بھائی اورنگ زیب نے تخت و تاج سنبھالتے ہی اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اور سارے پتھر اور ساز و سامان کو قبضہ میں لے کر اپنے نام سے تعمیر ہونے والی مسجد کی تعمیر میں استعمال کر لیا۔" (۷)

کنہیا لال ہندی اپنی معروف تصنیف "تاریخ لاہور" میں "بادشاہی مسجد" کے عنوان کے تحت لکھتا ہے کہ:

"باعث تعمیر اس مسجد عالی شان کا یہ ہوا کہ بہ وقت سلطنت شاہ جہاں بادشاہ کے جب پنجاب کی حکومت داراشکوہ کو تفویض ہوئی تو اس نے عمارتیں بہت (تعمیر) کیں۔ پہلے چوک بنوایا، پھر عالی شان عمارت اپنے دادا مرشد میاں میر بالا پیر کے روضے کی تعمیر کی۔ پھر ملّا شاہ قادری اپنے مرشد کا روضہ بنوایا جس کے احاطے میں اب موضع میاں میر ایک گاؤں آباد ہے۔ اس عمارت کے اختتام پر پتھر بہت بڑھ رہا تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ چوک داراشاہ سے میاں میر کے مقبرے تک ایک سڑک سنگِ سرخ کی ایسی مصفا و پاکیزہ بنوائے کہ روزِ سلام کے واسطے پا برہنہ وہاں جایا اور آیا کرے اور اس سڑک پر سوائے شہزادے کے اور کوئی آمد و رفت نہ کرے۔ یہ ارادہ ابھی پورا ہونے نہیں پایا تھا کہ عالم گیر اورنگ زیب نے باپ پر غالب آکر اس کو قید کر لیا اور داراشکوہ، اپنے بھائی، کو قتل کر دیا اور حکم دیا کہ موجود پتھر کی ایک جامع مسجد بنائی جائے۔ اور فدائی خاں کو کہ (کو) مسجد کی تعمیر کا مہتمم مقرر کیا۔ اس نے بہ کمال جاں فشانی اس مسجد کو بنوایا۔" (۸)

بعض تذکرہ نگار جیسے ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی (۹) اور نقوش "لاہور نمبر" نے مذکورہ معتبر اور مسلمہ مؤرخین کی آراء کے برعکس نقطہ نظر بھی اختیار کیا ہے۔ اس سلسلے میں نقوش کے مضمون نگار نے زیادہ تفصیل میں جانے کی سعی کی ہے۔ انہوں نے "حضرت میاں میر" کے عنوان کے تحت، اس ضمن میں لکھا ہے کہ "سنگِ سرخ کی وجہ سے حضرت میاں میر کے روضہ اور بادشاہی مسجد کا تعلق بتایا جاتا ہے، عام روایت یہی ہے اور اسی کو مصنف "تاریخ لاہور"، "تحقیقات چشتی"، "ہسٹری آف لاہور" نے بھی لکھا ہے کہ داراشکوہ نے اپنے پیشوا حضرت میاں میر کے مزار کی تعمیر کے لیے جو سنگ

سرخ جمع کیا تھا، جب عالمگیر نے داراشکوہ کا خاتمہ کر دیا تو اس نے یہ پتھر یہاں سے اٹھوا کر شاہی مسجد کی عمارت میں صرف کر دیا۔ لیکن یہ روایت اس لیے غلط ہے کہ حضرت میاں میر کا انتقال ۱۶۳۵ء میں ہوا تھا۔ داراشکوہ کا قتل ۱۶۵۹ء کے اواخر میں ہوتا ہے۔ کیا ۲۳-۲۵ سال کے عرصہ میں وہ ان کا مزار تعمیر نہ کرا سکتا تھا اور پتھر اس نے یونہی رکھ چھوڑا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت میاں میر کا مزار داراشکوہ کی زندگی ہی میں اس کے اہتمام سے تیار ہو چکا تھا، جیسا کہ لاہور کے نامور محقق مولانا علم الدین سالک ایم اے لکھتے ہیں کہ اس عمارت کی وضع بالکل شاہ جہانی عمارت سے ملتی ہے، وہی نقش و نگار، وہی رنگ آمیزیاں۔ ایسی حالت میں یہ کہنا کہ مزار حضرت میاں میر کا تمام پتھر بادشاہی مسجد کی عمارت میں صرف کیا گیا، حقیقت سے دور ہے۔" (۱۰)

"نقوش لاہور" کے فاضل مقالہ نگار یہ اعتراف سو فیصد درست ہے کہ حضرت میاں میر کا مزار داراشکوہ کی زندگی میں اسی کے اہتمام سے تیار ہو چکا تھا۔ دیگر معتبر مورخین اور مسلمہ تاریخ نگار بھی اس پر متفق ہیں، اس میں ہرگز دو آراء نہیں ہیں۔ تاہم خانقاہ کی جو عمارتیں داراشکوہ کے قتل کے سبب بچ رہیں، ان میں سے بعض کی تکمیل اورنگ زیب کے ہاتھوں بھی عمل میں آئی۔ دراصل یہ پتھر "سنگ سرخ" جس کے بارے میں لکھا جا رہا ہے کہ وہ بادشاہی مسجد کی تعمیر کے لیے وہاں سے اٹھوا کر شاہی قلعہ کے غرب میں لایا گیا۔ داراشکوہ اس پتھر سے، قلعہ سے لے کر حضرت کے مزار تک ایک ایسی کشادہ اور خوبصورت سڑک تعمیر کروانا چاہتا تھا جس پر وہ روزانہ پیادہ پا مزار پر انوار پر حاضری دینے کی سعادت حاصل کر سکے۔ اس عظیم منصوبے کے لیے کثیر التعداد "سنگ سرخ اور سنگ مرمر" باہر سے منگوا یا۔

اب یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ خانقاہ کی بنیادی ضرورت کے حوالے سے ایک خاص سطح تک کی جو تعمیرات تھیں، داراشکوہ ان کا اہتمام کر چکا تھا۔ تاہم وہ حضرت میاں میر سے، جس نوعیت کی منفرد عقیدت و ارادت رکھتا تھا اس کے اظہار کے لیے جو توسیعی منصوبے اُس کے ذہن میں تھے، ان میں سے ایک منصوبہ "شاہی قلعہ سے مزار شریف تک" سڑک کی تعمیر کا بھی تھا۔ یہ سڑک کم از کم بھی ہوتی تو 8 کلومیٹر لمبی ہوتی اور یقیناً اس کی تعمیر شاہی انداز و اعزاز کے ساتھ ہوتی۔ نیز یہ کہ لاہور کے نقشہ پر اس کے کیا دور رس اثرات مرتب ہوتے اور داراشکوہ کو اس سے کیسی جاودانی میسر آتی، اس کا اندازہ لگانا زیادہ دشوار نہ ہے۔

نیز یہاں یہ امر بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ حضرت میاں میرؒ کے وصال کے وقت داراشکوہ کی عمر تقریباً 20 سال تھی۔ ملا شاہ بدخشیؒ کے ہاتھ پر اس نے تقریباً 25 سال کی عمر میں بیعت کی۔ داراشکوہ کو مارچ ۱۶۲۷ء میں پنجاب کی صوبیداری میسر آئی لیکن اس دورانے میں زیادہ تر وہ شاہی دربار کے ساتھ ہی وابستہ رہا۔ تاہم پنجاب کی اس صوبیداری کے سبب اسے لاہور پر زیادہ توجہ مرکوز کرنے اور روحانی اشغال کو فروغ دینے کا موقع دستیاب رہا، جس کی بنیادی وجہ حضرت میاں میرؒ کے ساتھ اس کی عقیدت و ارادت تھی۔ لاہور کے اس قیام کے وقت اس کی عمر تقریباً بتیس سال ہو گئی۔ یقیناً عمر کا یہ حصہ شعوری اور ذہنی بلوغت کے اعتبار سے بھی اہم تھا۔ انہی سالوں میں حضرت میاں میرؒ کے مزار کی مناسبت سے خانقاہ کی دیگر عمارتوں کی تعمیر کے علاوہ اس نے اپنی شہرہ آفاق تصانیف "سفینۃ الاولیاء" اور "سکینۃ الاولیاء" تحریر کی، جس کے بارے میں یہ روایت بھی ہے کہ اوّل زمانہ اس کے بعد کا ہے۔ یہ دونوں کتابیں بھی بالخصوص برصغیر کی متصوفانہ تاریخ میں منفرد نوعیت کی حامل ہیں اور ان کو مستند ماخذ کا درجہ دیا جاتا ہے۔ حضرت میاں میرؒ کے حالات جمع کرنا اور ان کو آنے والے دور کے لیے تاریخی اور تحقیقی دستاویز کے طور پر بہم پہنچانا بھی کوئی کم کارنامہ نہ ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اگر داراشکوہ کی یہ تصانیف نہ ہوتیں تو شاید حضرت میاں میرؒ کے احوال سے آگاہی کے سلسلے میں محققین تشنہ رہتے۔ ۱۶۵۷ء میں شاہجہاں بیمار ہو کر صاحب فراش ہوا تو نامیدی کی حالت میں اس نے قابل اعتماد درباریوں اور اعلیٰ احکام کو بولا کر وصیت کی کہ آئندہ کا بادشاہ داراشکوہ ہوگا، اس کی اطاعت کی جائے۔ شاہجہاں کی بیماری اور تخت نشینی کی معرکہ آرائیوں کے حوالے سے داراشکوہ کی زندگی کے آخری سال خونی جنگوں، درماندگی اور صحرا نوردی کی نذر بھی ہوئے، جس کا شہزادگی کے ایام میں اندازہ لگانا شاید اُس کے لیے مشکل ہوگا۔ ایک عظیم الشان سلطنت کا ولی عہد ہونے کے سبب یقیناً آنے والے دور کے لیے اس نے اپنے ذہن میں اور بھی کئی منصوبے رکھ چھوڑے ہوں گے۔ تاہم قضا و قدر کے فیصلے اپنے ہوتے ہیں۔ اورنگ زیب، شجاع اور داراشکوہ کے درمیان تخت نشینی کا آخری معرکہ ۱۷ اپریل ۱۶۵۸ء کو آگرہ سے آٹھ میل سے دور ساموگر ٹھ میں ہوا جس میں نہ صرف داراشکوہ کو شکست ہوئی بلکہ اس کا چند روزہ تخت و تاج بھی چھین گیا اور ہندوستان کی بادشاہت کا فیصلہ اورنگ زیب کے حق میں ہو گیا۔ یوں داراشکوہ کو برصغیر کی شاہی نصیب نہ ہو سکی اور وہ ۱۶۵۹ء میں صرف 44 سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہو گیا (۱۱)۔

اس انتہائی مختصر عرصہ میں اپنی روحانی وابستگی کے حوالے سے، اس نے جو کچھ کیا وہ منفرد اور معتبر تھا۔ تعمیر اور تصنیفی حوالے سے اپنی عقیدت و ارادت کے جو مظاہر داراشکوہ نے قائم کیے اُس کی نظیر کا ملنا قدرے مشکل ہے۔ ”نقوش“ کے فاضل مقالہ نگار نے حضرت میاں میر کے وصال اور داراشکوہ کی وفات کے درمیان کے کم و بیش 25 سال کے عرصہ کو جس تاثر کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، مذکورہ تفصیلات جاننے کے بعد اس میں زیادہ وزن نظر نہیں آتا۔

اگرچہ یہ بات بھی بڑی بھلی لگتی ہے کہ جو بادشاہ اتنی خطیر رقم خرچ کر کے اس قدر عظیم الشان مسجد تعمیر کروا رہا ہے، (۱۲) اُس سے اس طرح کی حرکت کی توقع کیونکر ہو سکتی ہے۔ مگر جس ماحول میں داراشکوہ کو زندگی کی بھیک نہ مل سکی، اس کے دونوں بیٹوں (سلیمان شکوہ، سپہر شکوہ) کا وجود برداشت نہ کیا جاسکا، (۱۳) وہاں کسی ایسے منصوبے کی تکمیل کس طرح ممکن ہو سکتی ہے جو اُس کے لیے نیک نامی کا باعث بن سکے۔

بعض تذکرہ نگار اس واقعہ کا اس بنیاد پر بھی انکار کرتے ہیں کہ کسی دوسرے منصوبے سے تعمیراتی سامان اُٹھا کر اس طرح کی ناانصافی کا ارتکاب اورنگ زیب جیسے بادشاہ کے شایان شان نہیں ہے۔ یہ بات عام حالات میں تو وزنی ہو سکتی ہے تاہم اگر کسی واضح تاریخی حوالے کے برعکس محض اورنگ زیب عالمگیر کے ذاتی اوصاف ہی کی بنیاد پر اس معاملہ کا جائزہ مقصود ہے تو یہ پہلو بھی اپنے اندر کچھ تلخیاں رکھتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اورنگ زیب عالمگیر اپنی قابلیت، کردار کی پختگی، اعلیٰ انتظامی صلاحیت اور دوراندیشی کے سبب ممتاز مقام کا حامل تھا۔ عالموں اور بزرگوں کا قدر دان اور اسلامی قوانین کی ترویج اور احیاء کا زبردست حامی تھا۔ صاحب سطوت و جبروت ہونے کے باوصف انتہائی سادہ زندگی بسر کرتا اور بیت المال کے پیسے کو ہاتھ نہ لگاتا، یہ تمام شخصی اوصاف مسلمہ ہیں۔ تاہم بعض انسانی اور سیاسی کمزوریاں جو کسی بھی بڑے انسان میں ہو سکتی ہیں وہ اس میں بھی تھیں۔ بالخصوص تخت و تاج پر تسلط اور پھر اس کے استحکام کے سلسلے میں اورنگ زیب عالمگیر کے اقدامات اور اسی تناظر میں داراشکوہ اور اس کے پیرومرشد ملا شاہ بدخشانی قادری، جو حضرت میاں میر کے خلیفہ خاص تھے اور سرمد کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا وہ بھی تاریخ کا حصہ ہے۔ (اس سلسلے میں معتبر کتب تاریخ کا مطالعہ مناسب ہوگا۔) تاریخی محققین اور تجزیہ نگاروں کا سوال بہت سادہ سا ہے۔۔۔ کہ باپ کو قید اور سگے بھائیوں کو قتل کر کے سریر آرائے سلطنت ہونے والا سلطان جو کہ سرکاری طور پر "



ظَلَّ اللَّهُ " تھا، تاہم اس کا اقتدار کسی "اسلامی شورا بنیت" کا نہیں، تخت نشینی کی جنگ کا واضح نتیجہ تھا۔ اس کے ایسے اقدامات کو دیانت و بددیانتی کے ذاتی اوصاف سے ماپنا تاریخی اور تحقیقی روش نہیں ہے، البتہ یہ ایک طرح کی شخصی رائے ہو سکتی ہے، ویسے بھی تاریخ عقیدہ نہیں، تجزیہ ہوتی ہے۔

جیسا کہ تحریر کیا جا چکا ہے کہ تاریخ نویسی اور تاریخ نگاری بادی النظر میں ایک آسان چیز ہے، تاہم سلاطین کے طرز فکر، اور ان کے مذہبی احوال و رجحانات اور دیگر اسباب و علل کی روشنی میں مختلف واقعات کا جائزہ ان مراحل کو مشکل بنا دیتا ہے۔ زیر بحث موضوع کا تعلق اگرچہ رسمی یا درباری کارروائی اور شاہی احکام سے ہے، تاہم معتبر مورخین نے ان فیصلوں کو سلاطین کے فکری رجحانات اور "سلاسل طریقت" کے ساتھ وابستگی کے تناظر میں بھی دیکھا ہے۔ یہ صفحات اس نازک بحث کے متحمل نہیں ہو سکتے، محض دو اقتباس پیش کر کے اس گفتگو کو سمیٹا جاتا ہے۔ عصر حاضر کے معروف محقق شیخ محمد اکرام اپنی معروف تصنیف "رود کوثر" میں لکھتے ہیں:

"لاہور کے قرب میں ایک ایسا شیخ سلوک کی منزلیں طے کر رہا تھا، جس کے اثر سے پھر ایک بار قادریہ سلسلہ چمک اٹھا، یہ بزرگ شیخ میاں میر تھے جنہوں نے قادریہ سلسلے کے ہندوستانی مرکز اُج سے نہیں بلکہ اس طریقے کی ایک اور شاخ سے فیض حاصل کیا اور جن کو نہ صرف عوام الناس میں بلکہ علمی اور درباری حلقوں میں اس قدر مقبولیت ہوئی کہ ان کے سامنے دوسروں کے چراغ مہم پڑ گئے۔ آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصومؒ کے ہم عصر تھے لیکن عہد شاہجہانی کی عام ملکی تاریخیں دیکھیں تو حضرت میاں میرؒ کے متعلق طویل اندراجات ملیں گے۔ خواجہ محمد معصومؒ کی نسبت کہیں ایک آدھ سطر بلکہ اس زمانے کی بعض مشہور تاریخیں (مثلاً عمل صالح۔ بادشاہ نامہ۔ منتخب اللباب) تو خواجہ صاحبؒ کے ذکر سے یکسر عاری ہیں اور اس کی وجہ یہی خیال میں آتی ہے کہ خاص حلقوں سے قطع نظر جو رنگ عہد شاہجہانی میں مقبول تھا، وہ قادری تھا، نقشبندی نہ تھا اور اس زمانے کے سب سے بااثر شیخ حضرت میاں میرؒ ہی تھے"۔ (۱۴)

" برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء" کا مصنف قاضی جاوید لکھتا ہے:

"شاہجہان کے زمانے میں مسلم اشرافیہ، داراشکوہ کی صورت میں روشن خیالی کے فروغ کے پرانے خطرے کے از سر نو اور زیادہ شدید صورت میں پیدا ہونے سے خوفزدہ تھی۔ چنانچہ حکمران طبقے کو اس امر کا مکمل احساس تھا کہ داراشکوہ کی کامیابی سے راسخ الاعتقادی کے مفادات کو شدید نقصان پہنچے گا اور اس کے نمائندوں کی نصف صدی کی جدوجہد ملیا میٹ ہو جائے گی۔ اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے عقیدہ پرست امراء نے اپنی تمام امیدیں اورنگ زیب عالمگیر سے وابستہ کر دی تھیں، جو اپنے مذہبی فکری، سیاسی اور سماجی رجحانات کی بنا پر ان کے آدرشوں کی تکمیل کے لیے بہترین طور پر معاون ثابت ہو سکتا تھا، وہ ابتداء ہی سے شیخ احمد سرہندی کے خیالات کے زیر اثر تھا، جن کے اہل خانہ سے اس کے خوش گوار تعلقات تھے۔ وہ شیخ کے صاحبزادے اور جانشین خواجہ محمد معصوم سے گہری عقیدت رکھتا تھا، دونوں کے مابین باقاعدہ خط و کتابت تھی اور خواجہ محمد معصوم، اورنگ زیب عالمگیر کے لیے شہزادہ دین پناہ کے الفاظ استعمال کیا کرتے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر سرہند سے گزرتے ہوئے خواجہ محمد معصوم اور ان کے خاندان کے دیگر بزرگوں سے ملنا ضروری تصور کرتا تھا۔ یہ تمام حقائق ہندوستان میں احیائے دین کی تحریک کے سب سے پُر جوش نمائندے کی سیاسی وابستگی ظاہر کرتے تھے۔ علاوہ ازیں شاہجہاں کے عہد حکومت میں اورنگ زیب عالمگیر نے صوبے دار کی حیثیت سے جس حکمت عملی کو اپنایا تھا، اس سے بھی قدامت پسند امراء میں اس کی مقبولیت بڑھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب شاہجہان کے بیٹوں میں تخت نشینی کی جنگ شروع ہوئی تو اکثر عقیدہ پرست امراء نے اورنگ زیب عالمگیر کا ساتھ دیا۔ داراشکوہ اور اورنگ زیب عالمگیر کے درمیان کشمکش صرف تخت کے دو ممکنہ وارثوں کے درمیان کشمکش نہ تھی، فی الاصل یہ ترکیبی اور تجلیلی کائناتی نقطہ نظر، فلسفہ وحدت الوجود اور فلسفہ وحدت الشہود، روشن خیالی اور راسخ الاعتقادی نیز صوفی اور عالم کے درمیان جنگ تھی۔"

وہ مزید لکھتا ہے:

" جب اورنگ زیب عالمگیر کو داراشکوہ کے مقابلے میں فتح حاصل ہوئی تھی، تو گویا سرد کے مقدر کا بھی فیصلہ ہو گیا۔ سبھی کو معلوم تھا کہ وہ شکست خوردہ شہزادے کا ہم خیال دوست تھا اور یہ کہ اس نے شہزادے کی فتح کی پیشین گوئی بھی کی تھی۔ اس بناء پر اورنگ زیب عالمگیر نے تخت نشین ہونے کے بعد سرد کا قصہ پاک کرنے کا تہیہ کر لیا۔ حسب معمول اس سیاسی فیصلے کو مذہبی جواز فراہم کرنا ضروری سمجھا گیا۔" (۱۵)

### ماحصل: (Conclusion)

i- لاہو کو عظیم الشان تعمیرات سے مزین ہونا تھا۔۔۔ ہو گیا۔۔۔ اس کا مرکزی نقطہ موضع میاں میر ہو یا قلعہ کی غربی سمت، یہ بہر حال مستحسن اور نیک فال ہے۔ اس کی تعمیر کے لیے "سنگ سرخ" جسے سنگ خارا بھی لکھا گیا ہے، آگرہ کے قرب و جوار، فتح پور سیکری یا بیانہ۔۔۔ جہاں سے بھی آیا، یہ کوئی ایسی بحث طلب بات نہیں ہے، کہ ایسے اعلیٰ سطحی منصوبوں کے لیے اعلیٰ ترین میٹرل کے حصول کو ممکن بنایا ہی جاتا ہے۔ تاہم اگر یہ میٹرل داراشکوہ کی طرف سے حضرت میاں میر کے دربار کے تعمیر اور توسیعی منصوبوں کے لیے جمع شدہ سامان سے حاصل کیا گیا تو اس کے اعتراف میں کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہیے۔

ii- بادشاہی مسجد کی تعمیر کے لیے اورنگ زیب کا ایک خط رقم مختص کرنا کوئی ایسا خلاف معمول نہ ہے۔ مغل بادشاہ تعمیرات کے شوقین تھے، بالخصوص ایسی عمارت جو ان کی مذہبی وابستگی کا مظہر ہوں، کا شمار مشکل ہے۔ کسی درویش یا بزرگ کے مزار پر حاضری دے کر لاکھوں روپے کے چڑھاوے چڑھانے سے متعلق بھی تاریخ ہند بھری پڑی ہے۔ مساجد یا مقابر کی تعمیر تو معمول کی بات ہے۔ حد تو یہ ہے شہنشاہ اکبر جو حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کا بڑا معتقد تھا، انہی کی نسبت سے اپنے بیٹے کا نام "سلیم" رکھا اور انہی کی محبت میں ان کے مزار پر

طاہر رضا بخاری/حضرت میاں میر کے مزار کی تعمیر.....داراشکوہ اور اورنگ زیب کی باہمی آویزش ۳۱

ایک شاندار شہر بسایا۔ چنانچہ ۱۵۷۱ء میں " فتح پور سیکری " کی شاندار تعمیرات سے یہ معمولی گاؤں شہنشاہ ہند کا پایہ تخت بن گیا۔

iii۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں حضرت میاں میر کے مزار پر تعمیراتی سلسلے کی تکمیل، کسی بھی حکومت کی سیاسی اور مذہبی ضرورت ہو سکتی ہے۔ جس بارگاہ میں جہانگیر اور شاہجہان از خود حاضری کو سعادت سمجھتے رہے اور داراشکوہ جس خانقاہ کی جاوہر کئی کو سعادت خیال کرتا رہا، اورنگ زیب کے لیے اس جگہ کو نظر انداز کرنا آسان نہ تھا۔ تاہم اگر داراشکوہ کے منصوبوں کی تکمیل ہوتی تو یہ اس کی عقیدت و ارادت کی پر شکوہ یادگار کے ساتھ ساتھ لاہور کے نقشہ پر بھی ایسے دور رس اثرات مرتب کرتا جو اس کے لیے جاودانی کا باعث بنتے۔۔۔۔۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ تعمیراتی منصوبے ویسے بھی سنین و شہور کا کام ہوتے ہیں، بنیاد کوئی رکھتا ہے اور " نقاب کشائی " کسی اور کے حصے میں آتی ہے۔



## حوالہ جات

- ۱- شمس الدین محمد عبدالرحمن السخاوی، "تاریخ التاریخ" موسوم بہ اعلان بالتویب لمان ذم لاهل التوریخ، ترجمہ سید محمد یوسف (لاہور: مرکزی اردو بورڈ ۱۹۶۸ء)۔ ص ۲۷
- ۲- پروفیسر مقبول بیگ بدخسانی، احوال و آثار داراشکوہ (دیباچہ سکینۃ الاولیاء) لاہور پبلیکیشنز لمیٹڈ۔ ۱۹۷۱ء
- ۳- داراشکوہ، "سکینۃ الاولیاء" ترجمہ مقبول بیگ بدخسانی، لاہور پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۹۷۱ء۔ ص ۱۲۱
- ۴- نور احمد چشتی "تحقیقات چشتی" (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور، ۲۰۰۱ء)۔ ص ۸۵۲
- ۵- کنہیا لال ہندی "تاریخ لاہور" مرتبہ کلپ علی خاں فائق (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۹۶ء)۔ ص ۲۶۹
- ۶- محمد دین کلیم قادری مؤرخ لاہور "تذکرہ حضرت میاں میر" (لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، ۱۹۸۶ء)۔ ص ۲۲۲-۱۲۳
- ۷- سید محمد لطیف، "تاریخ لاہور" (لاہور: تخلیقات، ۲۰۰۲ء)۔ ص ۱۸۳
- ۸- کنہیا لال ہندی "تاریخ لاہور" مرتبہ کلپ علی خاں فائق (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۹۶ء)۔ ص ۱۷۷
- ۹- ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی "بادشاہی مسجد" (لاہور: کتاب خانہ نورس، کبیر سٹریٹ ۱۹۷۲ء)۔ ص ۷
- ۱۰- محمد طفیل "نقوش، لاہور نمبر" (لاہور: ادارہ فروغ اردو، فروری ۱۹۶۲ء)۔ ص ۲۷
- ۱۱- محمد صالح کنبوه "شاہجہان نامہ (عمل صالح)" ترجمہ ڈاکٹر ناظر حسین زیدی (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۴ء)۔ ص ۷۷
- ۱۲- سبحان رائے بٹالوی "خلاصۃ التوارخ" ترجمہ ڈاکٹر ناظر حسین زیدی، (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۶۶ء)۔ ص ۱۰۶
- ۱۳- نور احمد چشتی "تحقیقات چشتی" (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور، ۲۰۰۱ء)۔ ص ۱۰۶
- ۱۴- شیخ محمد اکرم، "رود کوثر" (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۷ء)۔ ص ۵۲۵-۲۶
- ۱۵- قاضی جاوید، "برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء" (لاہور: نگارشات، بیگم روڈ، ۱۹۸۶ء)۔ ص ۱۷۰-۱۸۲



## قصه رسالو، کوکلا و هودی سروده دونی چند را یزاده

☆☆ دکتر اعجاز احمد ندیم ☆☆ دکتر محمد صابر ☆☆

### Abstract:

Dunichand Raizadeh, a Hindu poet of Sub-continent, has narrated several classical tales in Persian poetry. He is an unsung Persian poet of Sub-continent whose poetic skills have yet to be recognized. In this article, one of his short Mathnavis, about Resalu, Kokla and Houdi is being introduced, evaluated and edited which shows his command over Persian poetry and poetic language, as well as Persian rhetoric.

**Key words:** Tale of Resalu, Kokla & Houdi, Love story, Persian literature, Sub-continent Dunichend Raizadeh

دونی چند را یزاده معروف به نام بالی، تاریخ نویس و شاعر زبان فارسی شبه قاره، در سده دوازدهم قمری می زیسته است۔ اسم پدرش میگهراج رایزاده بود۔ دونی چند در زمان کودکی اش، در سن هفت سالگی، پدرش را از دست داد۔ همان از دوران طفولگی به جهانگردی، علوم حرب و علم موسیقی علاقه داشت، و افزون بر آن در علم طب نیز دستی داشت و به معالجهٔ مریضان و کسالت‌مندان نیز می پرداخت۔ اما در اواخر زندگانی اش این شغل را ترك گفت و به خدمت سلطان دلاور خان گکهر (حك: ۱۱۱۷ - ۱۱۳۹ق) در آمد و به عنوان متصدی اش

خدماتی انجام داد۔ (Duni Chand, P.6-7)

☆ رئیس دانشکده دولتی شرقپور

☆☆ عضو هیات علمی گروه فارسی دانشگاه پنجاب، لاهور، پاکستان

می نویسند که به سبب سختگیری مدار المہام به زندان افتاد و چندی بعد رهایی یافت و عازم بغداد شد، و دوازده سال در آن دیار بسر برد، و سپس به سر زمین پوتوہار، میهن خویش، باز آمد۔ در آن هنگام از شهرستانهای متعدد ایالت پنجاب از جمله مولتان، گجرات و سیالکوٹ دیداری کرد و در دوران همین سفر طولانی به ایالت جمون ہم رسید (اسماعیل پور، ص ۲۰۹۵) و در دربار راجہ جمون وقتی کہ سخن از دلیری و شجاعت فرمان روایان آن دیار می رفت، دونی چند رایزادہ به ستایش خانوادہ گہکران پرداخت، چون خودش را پرورده و نمکخوار ایشان می پنداشت۔

در باریان راجہ جمون در اثبات ادعای او، از وی شعر حماسه ای تقاضا نمودند، و دونی چند رایزادہ در ظرف چند روز به زبان پوتوہاری نسب نامہ منظوم خانوادہ گکهران را سرود و توسط میر گل میراسی به دربار راجہ جمون فرستاد نسب نامہ یاد شده به دست سلطان مبارز خان نیز رسید و مورد استقبال گرم وی قرار گرفت، و به تقاضای وی دونی چند به نوشتن کیگور نامہ پرداخت، و در سال ۱۱۳۷ ق آن را به پایان رساند۔ (سید عبداللہ، ص ۹۶؛ ظہورالدین احمد، صص ۴۳۳-۴۳۷، جلد سوم)

پس از در گذشت دونی چند رایزادہ، فرزندش برجنا تہ رایزادہ و سپس نواسہ اش رتن چند رایزادہ بر مطالب کیگور نامہ افزودند، و چندی بعد نویسندہ ای دیگر به نام عزت رای نیز بر متن کتاب افزود۔ (ہمو، همانجا)

شاد روان دکتہ محمد باقر، استاد و ریاست گروہ فارسی در دانشکدہ خاور شناسی، دانشگاہ پنجاب، لاہور، پاکستان، کیگور نامہ را در سال ۱۹۶۵ م توسط اکادمی ادبی پنجابی از لاہور منتشر کرد و در ضمن تدوین و

تصحیح، چهار نسخه خطی زیر را مورد نگاه قرار داد:

الف) نسخه خطی موجود در کتابخانه اندیا آفس در لندن، انگلستان (کتابخانه بریتیش فعلی، در لندن)

ب) نسخه خطی موجود در موزه بریتانیا در لندن، انگلستان (کتابخانه بریتیش فعلی در لندن)

ج) نسخه خطی موجود در کتابخانه شخصی محمد گلزار خان

د) نسخه خطی موجود در کتابخانه شخصی غازی الدین حیدر

علاوه بر چهار نسخه مزبور، در کتابخانه مرکزی دانشگاه پنجاب،

لاهور، پنج نسخه دیگر به شماره ایچ ۵۲، ایچ ۵۳، ایچ ۵۴، ایچ ۵۵ و ایچ

۱۱۲، نیز در مجموعه آذر نگهداری می شود۔ (منزوی، الف، صص

۱۵۱۲-۱۵۱۳، جلد هشتم؛ همو، ب، صص ۴۸۷، ۴۸۹ جلد دهم؛

نوشاهی، ص ۴۱۶) که هیچ کدام از آنها مورد استفاده دکتر محمد باقر قرار

نگرفت۔ در میان نسخه یاد شده، دو نسخه به شماره ایچ ۵۵ و ایچ ۱۱۲

نسبت به نسخه های دیگر مفصلتر هستند و افزون بر تاریخ منشور خانواده

گکهران مثنوی های بسیار جالب را نیز دارند شایسته است ذکر شود که در

سه نسخه دیگر هیچ مثنوی نیامده است۔ مثنویها به این ترتیب است:

(۱) در تعریف قلم (۲) در صفت کاغذ (۳) در شکوه و شکایت

فلك (۴) حکایت یوسف زلیخا (۵) قصه لیلی و مجنون (۶) قصه شیرین

و فرهاد (۷) قصه وامق و عذرا (۸) قصه رسالو و کوکلا (۹) قصه سسی و

پنوں (۱۰) قصه هیر و ماهی (۱۱) قصه مرزا و صاحبه (۱۲) قصه بون و

جلالی (۱۳) قصه سوهنی و مهینوال (۱۴) قصه مادهو و کام کندلا (۱۵)



قصه سورتہ و بیجا (۱۶) قصه رود و جلالی (۱۷) قصه مصری و ماهی (۱۸)  
قصه باغ این جهان۔ (منزوی، الف، ۱۵۱۳؛ ظهور الدین احمد، ۴۳۸، جلد  
سوم)

جالب است که در کیگور نامہ، چاپ دکتر محمد باقر، ذکر از هیچ  
مثنوی نیامده است۔ مثنوی شیرین و فرہاد، در دو نسخه خطی در مجموعہ  
آذر، بہ شمارہ ایچ ۵۵ (نسخہ بدل) و ایچ ۱۱۲ (نسخہ اساس) آمدہ است۔  
تفاوت در میان دو نسخہ یاد شدہ بسیار کم بہ چشم می خورد۔ نسخہ خطی  
بہ شمارہ ایچ ۵۵ مشتمل بر ۷۹ برگ و نسخہ خطی بہ شمارہ ایچ ۱۱۲ دار ای  
۸۰ برگ است کہ در واقع در یک جلد اما در میان دو کتاب قرار گرفتہ است، از  
برگ شمارہ ۶۹ آغاز می شود و بہ برگ شمارہ ۱۴۸ بہ پایان می رسد۔ نسخہ  
اول الذکر در سال ۱۸۸۸ بکرمی نگارش یافتہ است و سال کتابت نسخہ  
موخر الذکر درج نیست۔

خلاصہ مثنوی دونی چند:

راجہ سرگیپ از فرمان روایان با شکوہی بود۔ دشمنان را در میدان جنگ  
شکست می داد و سر نوشت خود را با نوک شمشیر می نوشت۔ در خانہ او یک  
دختری زاد بنام کوکلا، در جهان در زیبایی ہمتایی نہاشت گویا برای عاشقان با صفا  
بلاہایی بر انگیخت۔ در کاخ بلندی زندگی می کرد و یک طوطی خو شنوایی  
داشت۔ در آن کاخ غیر از صبا ہیچکس گزری نہاشت دلیر بود و شجاع، ناگاہ یک  
روزی جوانی بنام ہودی از آنجا گزر کرد۔ در شکار گاہ ہر دو ہم دیگر را دیدند و  
دل باختند۔ کوکلا او را در کاخ خود دعوت کرد تا از دیدار ہم بہرہ بجویند گویا مرغ  
دانا در دام صیاد افتاد۔ ہر دو رو برو نشستند و چون شانہ موبہ مو پیوستند۔ طوطی کہ

این ماجرا را می دید، پرواز در آمد و رسالو را خبر داد۔ رسالو با سینه پُر کین، جبین پُر چین، کمان بدست و پشت بر زین چون تیر قضا به سوی خانه دوید۔ هودی را کشت از آن به بعد شاعر کیفیات درونی عاشقان جگر دوز را مطرح می نماید و مثنوی پایان می پذیرد۔

قصه مشحون درد و بلا رسالو و کوکلا و شتافتن هودی به سرای عقبی

- |    |                            |                           |
|----|----------------------------|---------------------------|
| ۱  | این اشهب نوک تیز گامی      | در زین دگر کشد لجامی      |
| ۲  | در کوچہ ورق به ره تمامی    | بازیچه کند به خوش خرامی   |
| ۳  | راجہ سرگپ به سر فرازی      | سرهای سران به یک دو بازی  |
| ۴  | سر از تن و تن زجان جدا کرد | زین جان کشی جهان صدا کرد  |
| ۵  | بی خبر ز او به بازی دهر    | کا میخته شیر او ست در زهر |
| ۶  | با بازی جان زیبی نیازی     | بازی خورد از زمان به بازی |
| ۷  | آن دختر او سه روز زاده     | از شیر سه روزه رو نهاده   |
| ۸  | از بهر نجات جان دوا شد     | بر خسته دلی چو مو میا شد  |
| ۹  | از خانه سرگپ زمانه         | آورد رسالو یش به خانه     |
| ۱۰ | سر همسر سروری ببخشید       | چون از سر چشم سرو را دید  |
| ۱۱ | مشهور به نام کوکلا شد      | کس حسن شریک کو که لا شد   |
| ۱۲ | با صاف گلو چو کوکلایی      | شد بهر هزار جان بلایی     |
| ۱۳ | بر کاخ بلند کرد جایش       | کین کاخ فلک به زیر پایش   |
| ۱۴ | یک طوطی خوش نوا به تلبیس   | بگذاشت چو هد هد به بلقیس  |
| ۱۵ | خود بی طمعی به طبع معقول   | با سیر و شکار گشت مشغول   |
| ۱۶ | آن شاخ به میوه نارسیده     | بر کاخ به جز صبا ندیده    |

۱۷	چون پخت به خونی و جوانی	دم پخت برای مهمانی
۱۸	بویش به مشام جان معطر	خویش همه مشک و عود و عنبر
۱۹	بی صرفه زغرفه هر پگاهی	می کرد به هر طرف نگاهی
۲۰	برفیل اگر چه زن سوار است	زنجیر به پای هر سوار است
۲۱	در روز نخیزد از پلنگی	در وقت شب است بر پلنگی
۲۲	در کام نهنگ گر چه تنگ است	آنجا به هزار ریو رنگ است
۲۳	با خام دلی چو طعمه شیر است	از طمع هوس بدان که سیر است
۲۴	نا گاه ز راه يك سواری	بنمود چومه رخ از غباری
۲۵	هودی بود آن چو سرو آزاد	سر او با سرو پیچ افتاد
۲۶	در كوچه تنگ چون گزر کرد	دل تنگ ز تیر چون سپر کرد
۲۷	صد خار خلیلد زیر پایش	پنهان ز نظر نه در نمایش
۲۸	آن هم به دو دیده مشتری شد	در شیشه مطیع چون پری شد
۲۹	بی تاب نگاه کرد سویش	پُر آب دو دیده رو به رویش
۳۰	گفتش که به کاخ خوش در آید	در دیده چو نور جا نماید
۳۱	رو پاك کند ز خاكِ کویم	چون باد رسد به تارِ مویم
۳۲	يك ساغر می چشمد به دستان	در تن کشمش چو روح مستان
۳۳	بی چاره به دردِ سینه صد چاك	رفت از سرِ نردبان به افلاك
۳۴	بر بام به طبع دانه یکتا	در دام فتاد مرغ دانا
۳۵	با شاخ کسی هر آنکه گستاخ	میوه عمرش بر آید از شاخ
۳۶	با کاخ فلک چه آزمایش	کس را ندهد گهی آسایش
۳۷	يك چند به رو به رو نشستند	دل داده به جستجو نشستند

۳۸	چون شانہ اگرچہ مو بہ مو گشت	زان موی میان نہ موی بشکست
۳۹	دروازہ مطلب چو بند است	بر در رفتن چه سود مند است
۴۰	تا حورو پری زیباغ مقصود	حاجب در آن ریاض بگشود
۴۱	طوطی بہ ہوا نمود پرواز	چون آہ شکستگان بہ آواز
۴۲	زین حال رسالو را خبر کرد	وین خبر حزین ولی صبر کرد
۴۳	زاغی است بہ باغ دست گستاخ	پڑ مردہ گلی کند بہ ہر شاخ
۴۴	داغ است بہ سینہ من چو زاغی	بر خیز نمایند سُراغی
۴۵	پُر چین جبین و سینہ پُر کین	در دست کمان پُشت بر زین
۴۶	در دست دگر گرفت تیری	چو تیر قضا است ناگزیری
۴۷	چون باد دوید سوی خانہ	با یاد مکر زنان زمانہ
۴۸	آزاد ستاد زیر بامی	صیاد و شان نہاد دامی
۴۹	آن پُشت فراغ پست کردہ	سر خود چو طباخ دست کردہ
۵۰	چون بود نصیبہ اش ہمین خاک	آورد بہ خاک روز افلاک
۵۱	مسکین دلش ز کین خالی	در خانہ غریب چون سفالی
۵۲	یعنی ہودی شکستہ بیدل	پایش ز گُل اوفتاد در گِل
۵۳	بی خبر ز نرد بان گذر کرد	بی خبر گذر بہ رہ گذر کرد
۵۴	رسالو ناوک جگر دوز	از غیرت دلبری دل افروز
۵۵	در چشم زدن بہ چشم او زد	با شصت صفا گذشت از حد
۵۶	خون گشت روان بہ روی چون ماہ	از چشمہ چشم او چو چشمہ
۵۷	گرده جگر و دلش بر آورد	خون دیدہ خون جوشش آورد
۵۸	پاشند نمک بہ ریش ریشان	دودی بہ ہوا سوز ایشان

۵۹	خون ریخت همه به ماتم او	دم خورد همه نه بی دمی او
۶۰	چون گشت کباب پخته از خام	چون عذک می نهاد در جام
۶۱	آورد به پیش خسته مجروح	کز خوف پرید از تنش روح
۶۲	صنمی که به درد او جگر ریش	با ناخن دست زد بر او نیش
۶۳	پاره ز کباب ماه پاره	یک باره، دو باره و سه باره
۶۴	چون خورد به لب لذیذ بردند	حیران چو ز جان عزیز برند
۶۵	گفت این چه کباب پُر شراب است	جان و دل من بر این کباب است
۶۶	بویش به دماغ مستی آورد	می دانم جان ز هستی آورد
۶۷	این بوی زکوی آشنایی	آمد سوی من به دل ربایی
۶۸	گفتش که نگر به حال خامی	از میوه عمر تلخ کامی
۶۹	چون دست به باغ غیر بگشود	دید آنچه سزا سزایش این بود
۷۰	آورد سراو به طشت زرین	ببرید سر این به تیغ رنگین
۷۱	در عرصه عشق کرد گویی	در عالم مانند گفتگویی
۷۲	خام آن که به عاشقان ستیزد	خونین است که خون شان بریزد

#### فنی خصایص و صنایع بدایع:

بیت ۴: جان و تن: تضاد

بیت ۴: جان و جهان: جناس

بیت ۴: جدا و صدا: جناس

بیت ۵: دهر و زهر: جناس

بیت ۱۰: سر، سرو: جناس

بیت ۱۴: هد هد و بلقیس: تلمیح

بیت ۱۶: آن شاخ به میوه نارسیده: اشاره به کو کلا، تشبیه

بیت ۱۷: چون پخت به خونی و جوانی: اشاره به جوان شدن کو کلا، کنایه

بیت ۱۸: بو، مشام، معطر، مشک و عنبر: مراعاة النظر

بیت ۱۹: صرفہ و غرفہ: جناس

بیت ۲۰: زنجیر بہ پای ہر سوار بودن: کنایہ ہنری برای مجبور بودن ہر کس

بیت ۲۱: پلنگ: در مصرعہ اول رختِ خواب

بیت ۲۲: رنگ و تنگ: جناس

بیت ۲۳ شیر و سیر: جناس

بیت ۲۴: رخ سوار: مشبہ، مہ: مشبہ بہ، چو: ادات تشبیہ، تشبیہ

بیت ۲۵ سوار: مشبہ، سرو آزاد: مشبہ بہ، چو: ادات تشبیہ، تشبیہ

بیت ۲۵: سر، سرو: جناس

بیت ۲۸: آن کس: مشبہ، پری: مشبہ بہ، چون: ادات تشبیہ، تشبیہ

بیت ۳۰: تشبیہ محبوب بہ نور

بیت ۳۱ تشبیہ محبوب بہ باد

بیت ۳۲: تشبیہ محبوب چون روح در بدن

بیت ۳۵: میوہ عمر: تشبیہ بلیغ

بیت ۳۸: تشبیہ محبوب بہ شانہ

بیت ۴۰: باغ مقصود: تشبیہ بلیغ

بیت ۴۳: زاغ و باغ: جناس

بیت ۴۴: داغ: مشبہ، زاغ: مشبہ بہ، چو: ادات تشبیہ

بیت ۴۶ تیر قضا: تشبیہ بلیغ

بیت ۴۷: تشبیہ بہ باد

بیت ۹۴: پست و دست: جناس

بیت ۵۲: گل و گل: جناس

بیت ۵۶: تشبیہ بہ ماہ

بیت ۵۶: از چشمہ چشم او چو چشمہ: تکرار صامتہا

بیت ۵۸: نمک بہ ریش پاشیدن: کنایہ

بیت ۶۲: نیش، ریش: جناس

بیت ۶۸: میوہ عمر: تشبیہ بلیغ

### کتابشناسی:

- اسمعیل پور، محمد (۱۳۷۵ ش) کیگوهر نامه؛ دانش نامه ادب فارسی در شبه قاره، وزارت فرهنگ و ارشاد اسلامی، تهران۔
  - جهانتاب (۱۳۸۵ ش) محض اعجاز، شامل دانش نامه ادب فارسی در شبه قاره، به کوشش حسن انوشه، وزارت فرهنگ و ارشاد، تهران۔
  - صدیقی، طاهره (۱۳۷۷ ش / ۱۹۹۹ م) داستان سرایی فارسی در شبه قاره در دوره تیموریان، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد۔
  - انصاری، نورالحسن (۱۹۶۹ م) فارسی ادب بعهد اورنگزیب، اندوپرشین سوسائتی، دهلی
  - سید عبدالله (۱۳۷۱ ش) ادبیات فارسی در میان هندوان؛ مترجم دکتر محمد اسلم خان، موقوفات دکتر محمود افشار، تهران۔
  - ظهورالدین احمد (۱۹۹۰، ۱۹۸۵، ۱۹۷۷ م) پاکستان میں فارسی ادب، ج ۵، ۴ و ۳، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاه پنجاب، لاہور۔
  - منزوی، احمد (الف) (۱۹۸۷ م) فهرست مشترك نسخه خطی فارسی پاکستان، جلد هشتم، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد۔
  - نوشاهی، خضر عباسی (۱۹۸۶ م) فهرست نسخه های خطی فارسی کتابخانه دانشگاه پنجاب، لاہور،
- گنجینه آذر، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد۔

**Duni Chand Raizadeh (1965) Kaigohar Nameh, Edited by  
Muhammad Baqir, Punjab Adabi Academy, Lahore.**



## خیر اللہ فدا لاهوری شاعر سده دوازدهم قمری

دکتر محمد ناصر ☆ امجد جاوید ☆ ☆

### Abstract:

Persian has deep roots in the soil of subcontinent. Particularly Punjab has been the centre of Persian culture, civilization and literature through centuries. In this article Khair Ullah Fida Lahori, a Persian poet of subcontinent in 12th century A.H. has been introduced.

**Key Words:** Khair Ullah Fida Lahori, Persian literature, Subcontinent, 12th century A.H.

خیر اللہ فدا لاهوری، شاعر مهم فارسی پنجاب، در قرن دوازدهم هجری در لاهور می زیسته است. اسم کامل وی خیر اللہ (۱) فرزند شیخ عبدالله امانت خانی (۲) بود. برخی از تذکره نویسان وی را "شیخ" و "میرزا" نوشته اند که سبب آن دانسته نیست. اصل خانواده وی از قریه شاه دوله، گجرات، پاکستان (۳) است که بعداً در لاهور سکونت گزیدند. پدر خیر اللہ، شیخ عبدالله از کار مندان میرک معین الدین احمد ملقب به امانت خان بود و بدین انتساب به لقب "امانت خانی" معروف بود. امانت خان منصب داری دانشمند و فاضل و بادیانت و با کفایت دوره اورنگ زیب عالمگیر تیموری (۱۰۶۸-۱۱۱۸هـ) بود.

☆ استاد گروه فارسی دانشگاه پنجاب، لاهور

☆ ☆ دانشجوی دوره دکتری فارسی دانشگاه پنجاب، لاهور



تخلّص خیرالله، فدا بود و مسلک سنّی حنفی و مشرب قادری داشت، چنان که خودش می گوید:

کس بدُ زدد چرا تخلّص من      من فدایم، فدا تخلّص من  
ثبت شد در جریده افواه      نام این خاکسار خیرالله  
قادری مشربم به صدق و یقین      حنفی مذهبم به ملت و دین (۴)  
و درجایی دیگر نیز می سراید:

شاعری چون فدا، کم از کمتر      حنفی قادری ز جدّ و پدر (۵)

اطلاعاتی درباره تحصیلات خیرالله فدا لاهوری در دست نیست، اما از شعر وی آشکار است که وی در دانشهای مروج آن زمان متبحر بود و بویژه در علم تصوف و هنر شعر صاحب نظر بود. استعداد هایش در لاهور شکوفا شد که بزرگترین مرکز علمی و ادبی و فرهنگی آن دوره محسوب است، چنان که می گوید:

نمک شهرتم که پُر شور است      از نمکدان شهر لاهور است (۶)

وی در شعر گویی شاگرد میرزا محمد امین بیرنگ لاهوری (م ۱۱۲۳هـ) بود. (۷) و بر شاگردی خود افتخار داشت:

فخر شاگردی ام به استاد است      که سخن دولت خداداد است (۸)

فدا لاهوری مدتی در صحبت غلام محی الدین خان ملقب به خواجه سنگین نیز به سر بُرد (۹) خواجه سنگین از امرای صوفی مشرب لاهور بود که از صوفیان و شاعران و دانشمندان قدر دانی می کرد و به گفته حاکم لاهوری از فدا لاهوری خیلی تعظیم می کرد (۱۰). فدا بعد از ارتحال خواجه سنگین به گوشه گیری و انزوا گرایید و تا واپسین لحظات زندگی خود پا از دامن صبر و قناعت و توکل و عزلت نکشید. (۱۱)

فدا لاهوری در مثنوی خود از خواجه سنگین ستایش کرده است

که نشانگر ارادت و دل بستگی عمیق وی به خواجه سنگین است:  
 باد گلدسته بند این گلزار      چمن آرای بزم لیل و نهار  
 قبله گاه خدا پرستی چند      ساقی بزم دیر مستی چند  
 واقف رمز صاحبان صفا      محرم راز دوستان خدا....  
 سالک جاده خدا طلبی      گوهر رشته نبی و ولی.....  
 مهر مصحف ز نام اوست نگین      مسندش نقش سجده از تمکین  
 قبله سیما و کعبه تمکین است      قطب ارشاد خواجه سنگین است  
 خاطر اهل دل از او خوشنود      روی کارش همیشه در هبود (۱۲)  
 از این ابیات پیدا ست که خواجه سنگین در سال تکمیل مثنوی  
 (۵۱۱۵۶)

زنده بود.

فدا لاهوری شیخ فرید قادری را به عنوان مرشد و مراد خود معرفی می کند و در مثنوی خود به مدح او می پردازد. طرفه این که محققانی بزرگ چون دکتر محمد باقر (۱۳) و دکتر ظهوالدین احمد (۱۴) به اشتباه، شیخ فرید را شیخ فریدالدین گنج شکر پنداشته اند، در حالی که وی از اعظم مشایخ چشتیه است و فدا مرشد خود را شیخ طریقت قادریه معرفی نموده است:

فرد تفرید مشرب تجرید      مرد میدان درد شیخ فرید  
 مسبت میخانه حقیقت بود      قادری مشرب طریقت بود (۱۵)  
 از ابیات فدا لاهوری در مدح شیخ فرید برمی آید که وی شخصاً از محضر شیخ استفاده کرده است. شیخ فرید قادری به ملامتیه گرایش داشت. هیچ اهمیتی به ننگ و ناموس نمی داد. در فقر، تجرید، ریاضت و سیاحت بی نظیر بود. شبها به ذکر اَرّه می پرداخت. چهل سال از طعام

استفاده نکرد. در ناحیه "گنجی بار" پنجاب اقامت داشت. گاهی شعر هم می سرود که فدا کتابت شعرش را وسیله تقرب می ساخت (۱۶).  
 فدا لاهوری، سید نور احمد قادری نامی را نیز به عنوان راهنمای خود در طریقت قادریه معرفی کرده است. بنا به گفته وی، سید نور احمد آدم عاشق و رند و لا ابالی بود. گریه های عاشقانه می کرد. در فقر و ریاضت مشهور خلایق بود. بدنش بر اثر مبالغه در ریاضت کاهیده بود. در خوارق عادات نظیری نداشت. در "طی لسان" و "طی زمان" معروف بود. از سالکان زیادی تربیت می کرد. در علم و حکمت و فلسفه ید طولایی داشت. وسعت مشرب وی تا حدی بود که بسیاری از هندوان نیز از او کسب فیض می کردند. در بیان معارف و سخا همتایی نداشت (۱۷).  
 بعد از بیان اوصاف شیخ نور احمد قادری، ارادت و ارتباط خود را چنین باز گو می کند:

مدتی دل شکسته بردر او      طرف امید بسته بردر او  
 به امید قبول واسطه جو      به نوید حصول رابطه جو...  
 چه قدر گشت سعی من مشکور که شدم      روشناس اهل  
 حضور (۱۸)

در خلال این ابیات اشاره هایی نیز وجود دارد که فدا لاهوری احتمالاً جهت طلب کیمیا به بارگاه نور احمد قادری رفته بود و از فیض صحبت او حال و هوای باطنی وی دگرگون شد:

دفتر سیمیا چو ابتر کرد      نسخه کیمیا مکرر کرد  
 نظری کرد صرف تأثیری      در سرایت به مس چو اکسیری  
 چقدر کوره از دمش دم خورد      که سیاهی ز قلب من رم خورد (۱۹)  
 فدا لاهوری به میرزا بدرالدین لاهوری عشق می ورزید. وی شاگرد

و پسر خوانده شاعر است و شاعر دلبستگی طرفین را مثل عشق و علاقه مولانا جلال الدین رومی و شمس تبریزی می داند و میرزا بدرالدین را حسن دهلوی و جمالی دهلوی برای خود گفته است (۲۰).

نکته ای دیگر که در شرح حال فدا لاهوری باید ذکر شود و تذکره نویسان و محققان متذکر آن نشده اند، این است که یکی از هندوان متشاعر تخلص وی را از آن خود کرده بود، وی از او نام نمی برد و او را تنها به لقب "تخلص دزد" معرفی می کند و در بخش پایانی مثنوی بر او می تازد. هویت این کس مشخص نیست. در تذکره ها ذکر هیچ شاعر هندو ثبت نیست که دارای تخلص فدا باشد. فدا لاهوری چنین گفته است:

هندویی ساخته زهر تصنیف	ژندو پاژند نامه ای تالیف
بسته تاریخ من در اتمامش	ساخته حک از این ورق نامش
یا الهی، مکن مسلمانش	دور تر دار ز اهل ایمانش
گرزند در می شهادت جام	بی تکلف برآیم از اسلام
پیش ارباب فهم در همه جا	باد دزد تخلصم رسوا (۲۱)

تذکره نویسان شخصیت فدا لاهوری را چنین ترسیم کرده اند:

۱. "به مذاق تصوف خیلی آشنا بوده. به صحبت اکثر درویشان صاحب حال رسیده. مرد بی طمع خلوت پسند بود". (۲۲)
۲. "گوشه انزوا اختیار کرد و به قوت توکل و قناعت پا به دامن صبر پیچید و نشست تا در گذشت" (۲۳)

خلاصه آنچه در این زمینه از مثنوی او به دست می آید، به قرار

زیر است:

فدا لاهوری به تصوف خیلی علاقه داشت و ارادتمند صوفیه گذشته و معاصر بود. خیلی دوست داشت از محضر عارفان استفاده کند.

او برای زیارت صوفیان زحمتهای می کشید. شبهای جمعه معمولاً به زیارت قبور اولیاء می رفت. به عالمان دینی و مجذوبان نیز احترام می گذاشت. حرفهای عارفانه بزرگترین دلگرمی وی بود. از جوانی به شعروسنخ تمایل داشت و هیچگاه از فکر سخن خالی نبود. در به دست آوردن موفقیت در هنر شعر تلاشها می کرد. خوشنویس معمولی نیز بود. گاهی از انزوا به تنگ می آمد و به سیروسفر روی می آورد. مسافرتها به هند و سند نیز کرده بود. زیبایی های طبیعی را دوست داشت. صبر، عجز، توکل و خاموشی را شعار خود ساخته بود. خود را خالی از عیب ها نمی دانست هرزه گرد و هرجایی نبود. ارزشهای اخلاقی را خیلی اهمیت می داد. به دوستان اخلاص و صمیمیت داشت و از یاران رفته به نیکی یاد می کرد. از رسوایی و بدنامی هراسی نداشت و متمایل به وضع ملامتیان بود. بر قادی بودنش افتخار می کرد (۲۴)

خیرالله فدا لاهوری در شعر آثاری ارزشمند از خود به جا گذاشت. وی به قالب غزل علاقه زیادی نداشت (۲۵) و بیشتر به مثنوی گویی می پرداخت. در فکر پاسخ به سبعة سیاره زلالی خوانساری (م ۱۰۲۴هـ) بود اما تنها چهار مثنوی وی را جواب گفت و فرصت جواب سه مثنوی دیگر را نیافت (۲۶). از مثنوی لیلی و مجنون فدا لاهوری، بجز نام چیزی در دست نیست. شفیق اورنگ آبادی در تذکره گل رعنا ابیاتی چند از سه مثنوی وی نوشته است که در جواب آذر و سمندر زلالی، ذره و خورشید و مثنوی میخانه سروده شده بود (۲۷). یگانه اثری که از او باقی است، مثنوی میرزا و صاحبه است که بعداً مذکور می شود.

حاکم لاهوری درباره او می نویسد:

"در او ایل به فقیر چندان اختلاط نداشت. بعد از آن در عهد صوبه

داری معین الملک (۱۱۲۱-۱۱۲۷ھ) اکثر بلکه در هفته دوبار به غریب خانه تشریف می آورد و مثنوی لیلی و مجنون که تازه در آن ایام گفته، می آورد و می خواند. و از راه اخلاص چند بیت در حق این هیچ مدان نوشته فرستاده بود. از آن ابیاتی که یاد بود، نوشته شد:

ای شده در ملک قدیم سخن      حاکم باللہ و حکیم سخن

نبض شناس نگه ناتوان      محرم بیماری چشم بُتان

درد دلم را دوا می کنی      کار به قانون شفامی کنی

مکتبی از مکتب تو درس خوان لیلی و مجنون به سواد روان (۲۸)

فدا لاهوری در میان سال های ۱۱۲۷ تا ۱۱۴۵ هـ در گذشت . سبب

تعیین این سالها به شرح زیر است:

۱- بنا به گفته حاکم لاهوری وی در دوره حکومت معین الملک در

قید حیات بوده است و حکومت معین الملک در ۱۱۲۷ هـ به پایان

رسیده است

۲- حاکم لاهوری در تذکره مردم دیده فدا را "مرحوم" نوشته

است. (۲۹)

و سال تألیف تذکره مردم دیده ۱۱۴۵ هـ است بنا بر آن وی قطعاً پس از

۱۱۲۷ هـ و پیش از ۱۱۴۵ هـ در گذشته است.

یگانه اثر موجود از خیرالله فدا لاهوری ، مثنوی میرزا و صاحبه

او است که در سال ۱۱۵۲ هـ سروده شده است. بنا به گفته شاعر، سال

تالیف مثنوی از ماده تاریخی آن بر می آید که "فأتوا بسورة" (۳۰)

است. (۱۱۵۲ هـ)

دکتر محمد باقر (۳۱) و دکتر ظهور الدین احمد (۳۲) در اینجا نیز

دچار تسامح شدند و سال تألیف آن را ۱۱۵۵ هـ نوشتند . شاید آنان الف دوم

کلمه "فاتوا" را محسوب نکردند در حالی که این الف جزو کلمه قرآنی است. ممکن است دست نویسی که در اختیار آن بزرگواران بود، فاقد الف باشد که بدیهی است نتیجه بیسوادی یا شتابزدگی کاتب آن است.

### هنر و اندیشه فدا لاهوری

تذکره نویسندگان استادی فدا لاهوری را در سخن گوئی و به ویژه در مثنوی سرایی مسلم دانسته اند. حاکم لاهوری می نویسد:

"در عالم مثنوی گوئی چون وی به نظر نیامده، معنی های بلند و مضمون های دلپسند در مثنویات خود به کار برده. در تلاش و شوخی الفاظ "ثانی زلالی" بود..... در این ولایت در لاهور، شاعری از او بهتر نبود. شعرش به پایه استادی رسیده بود." (۳۳)

خوشگو چنین نوشته است:

در سخن سنجان آن ضلح به مثنوی گوئی امتیاز دارد (۳۴)

داستان میرزا و صاحبه از معروفترین داستان های عشق منطقه پنجاب به شمار می رود. شاعر معروف "پیلو" آن را در سالهای ۱۲۰۶.۱۵۲۳ م به نظم پنجابی در آورده بود. پس از آن حافظ بر خردار. که شاعر معروف پنجابی در دوره عالمگیری است. آن را پیش از ۱۱۱۸ هجری به نظم کشیده بود. (۳۵) افزون بر آن سخنور دیگری به نام تسکین آن را در ۱۱۲۵ هجری به صورت مثنوی فارسی شمع محافل (۳۶) سروده بود. اما مثنوی فارسی فدا لاهوری بر مثنویات دیگر می چربد (۳۷)

فدا لاهوری در سبب تألیف مثنوی گفته است که بنا به خواست دوستان این داستان را منظوم ساخته است. وی به مآخذ داستان اشاره ای نکرده است (۳۸) ظاهراً به نظر می رسد که وی از روایت های منظوم پیشینیان آگاهی نداشته است.

جز نیات قصه در همه مثنویها تفاوت هایی اندک دارد اما اصل ساختار داستانی در همه یکی است. (۳۹)

هنر داستان گوئی در مثنوی فدا لاهوری جلوه بیشتری دارد. زبان و بیانش روان تر و رنگین تر است. در تشبیه و استعاره و تشخیص مثل آثار دیگر شاعران سبک هندی نوآوری و تنوع به خرج رفته است. اشخاص قصه در این مثنوی با هنر مندی زیبایی پرورانده شده است و در صحنه پردازی نیز نمونه های برجسته به نظر می رسد. او در سراپا نگاری هم خیلی موفق است. سراپای صاحبه در این مثنوی خیلی استادانه ترسیم شده است. فدا لاهوری در بیان احساسات اشخاص قصه نیز ید طولایی دارد. منظره های طبیعی در این اثر غنایی و عشقی با نهایت کمال جلوه می کند و بر تأثیر قصه می افزاید. استفاده شاعر از صنایع و بدایع نیز چشمگیر است.

شاعر به احوال و اوضاع فرهنگی و اجتماعی سرزمینش نیز بی اعتناء نبوده و بسیاری از اطلاعات مفید را در ابیاتش ذکر کرده است. ابیاتی که در توصیف شهر لاهور دارد، بهترین نمونه آن است. این ابیات تا بلوی زیبا و زنده و پویای لاهور است و هنر سخن گوئی فدا لاهوری نیز در آن ابیات به اوج خود رسیده است.





## فہرستِ منابع

- ۱ احمد حسین قریشی، پنجابی ادب کی مختصر تاریخ، لاہور، ۱۹۷۲م
- ۲ بندر ابن داس، سفینۂ خوشگو، پتنہ، ۱۹۵۹م
- ۳ حاکم، عبدالحکیم، تذکرہ مردم دیدہ، لاہور، ۱۹۶۱م
- ۴ خواجہ عبدالرشید، سرہنگ، تذکرہ شعرائِ پنجاب، لاہور، ۱۹۶۷م
- ۵ شفیق اورنگ آبادی، گلِ رعنا، دست نویس دانشگاہ پنجاب، لاہور،  
مجموعہ شیرانی، شماره ۱۳۹۰
- ۶ صبا، محمد مظفر حسین، تذکرہ روز روشن، تہران، ۱۳۳۳ش
- ۷ ظہور الدین احمد، دکترا، پاکستان میں فارسی ادب، ج ۳، لاہور، ۱۹۷۷م
- ۸ فدا لاہوری، مثنوی میرزا صاحبہ، دست نویس دانشگاہ پنجاب،  
لاہور، شماره Pi ix 2/2749.
- ۹ محمد باقر دکترا پنجابی قصے فارسی زبان میں ج ۱، لاہور، ۱۹۵۷م
- ۱۰ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، پانچویں جلد، فارسی ادب  
(سوم)، دانشگاہ پنجاب لاہور، ۱۹۷۲م

Nabi Hadi, Dictionary of Indo - Persian Literature, New Dehli, 1995.

## حوالہ جات

- ۱۔ ظہور الدین احمد، دکترا، پاکستان میں فارسی ادب، ج ۳، لاہور، ۱۹۷۷م، ص ۲۱۵
- ۲۔ صبا، محمد مظفر حسین، تذکرہ روز روشن، تہران، ۱۳۳۳ش، ص ۵۱۱
- ۳۔ بندر ابن داس، سفینۂ خوشگو، پتنہ، ۱۹۵۹م، ص ۵۵.
- ۴۔ فدا لاہوری، مثنوی میرزا صاحبہ، دست نویس دانشگاہ پنجاب، گ ۸۰ الف.
- ۵۔ مثنوی میرزا صاحبہ، گ ۸۵ ب
- ۶۔ همان، گ ۸۳ الف
- ۷۔ حاکم، عبدالحکیم، تذکرہ مردم دیدہ، لاہور، ۱۹۶۱م، ص ۱۷۷
- ۸۔ مثنوی میرزا صاحبہ، گ ۸۱ الف

- ۹۔ تذکرہ مردم دیدہ، ص ۱۷۶-۱۷۷، روز روشن، ص ۵۶۱
- ۱۰۔ تذکرہ مردم دیدہ، ص ۱۷۷
- ۱۱۔ همانجا
- ۱۲۔ مثنوی میرزا و صاحبہ، گ ۸۱، ب ۸۲ الف
- ۱۳۔ محمد باقر، دکتر، پنجابی قصے زبان میں، ج ۱، لاهور، ۱۹۵۷، ص ۷۱
- ۱۴۔ پاکستان میں فارسی ادب، ج ۳، ص ۲۱۷
- ۱۵۔ مثنوی میرزا و صاحبہ، گ ۱۴ الف
- ۱۶۔ مثنوی میرزا و صاحبہ، گ ۱۴ الف ۱۵ ب
- ۱۷۔ همان، گ ۱۵ ب ۱۷ الف
- ۱۸۔ همان، گ ۱۷ الف
- ۱۹۔ مثنوی میرزا و صاحبہ۔ گ ۱۷ ب
- ۲۰۔ سنان، گ ۸۲ الف ۸۳ الف
- ۲۱۔ مثنوی میرزا و صاحبہ، گ ۷۹ ب، ۸۰ الف
- ۲۲۔ سفینہ خوشگو، ص ۲۲۲
- ۲۳۔ تذکرہ مردم دیدہ، ص ۱۷۷
- ۲۴۔ مثنوی میرزا و صاحبہ، گ ۷۸ الف، ۸۵ ب
- ۲۵۔ سفینہ خوشگو، ص ۲۲۲
- ۲۶۔ روز روشن، ص ۵۶۱، تذکرہ مردم دیدہ، ص ۱۷۷
- ۲۷۔ شفیق اورنگ آبادی، گل رعنا، دست نویس دانشگاه پنجاب لاهور،  
مجموعہ شیرانی، شماره ۱۳۹۰، گ ۲۳۶
- ۲۸۔ تذکرہ مردم دیدہ، ص ۱۷۷
- ۲۹۔ تذکرہ مردم دیدہ، ص ۱۷۸
- ۳۰۔ مثنوی میرزا و صاحبہ، گ ۷۹ ب
- ۳۱۔ پنجابی قصے فارسی زبان میں، ج ۱، ص ۷۸
- ۳۲۔ پاکستان میں فارسی ادب، ج ۳، ص ۲۱۷

۵۴ مجلہ تحقیق، جلد ۳۲، شمارہ ۹۱، اپریل۔ جون ۲۰۱۳ء

۳۳. تذکرہ مردم دیدہ، ص ۱۷۷
۳۴. سفینہ خوشگو، ص ۲۲۲
۳۵. احمد حسین قریشی، پنجابی ادب کی مختصر تاریخ، لاہور، ۱۹۷۲م، ص ۲۸۵، ۳۵۲، ۳۵۵
۳۶. رجوع شود بہ: پنجابی قصے فارسی زبان میں، ج ۱، ص ۲۹-۶۸
۳۷. تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، ج ۵، فارسی ادب (۳)، دانشگاه پنجاب لاہور، ۱۹۷۲م، ص ۷۱
۳۸. پاکستان میں فارسی ادب، ج ۳، ص ۲۱۷
۳۹. همانجا



## ذکر معجزات النبی ﷺ في الشعر العربي والأردی

(دراسة خاصة)

☆ سيد قمر عباس ☆ ☆ ڈاکٹر محمد سلیم اسماعیل

### Abstract:

The article is a special study of the description of miracles of Holy prophet peace be upon Him in Arabic as well as in Urdu poetry. Poets of both languages in their poetry narrate such maricles as a subject alongwith other Islamic topics. Urdu poets follow Arab poets in their methods, trends and topics of poetry. The article is a best collection of examples regarding the usage of miracles in Arabic Urdu poetry. The article reflects the great influence of Arabic poetry on Urdu poetry. It would be a contribution in Arabic as well as in Urdu literatures.

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد صلى الله عليه وآله وسلم، رؤوف بالمؤمنين وشفيع المذنبين ورسول الله الى كافة الخلق أجمعين وعلى آله وصحبه أجمعين-

أما بعد! انّ الأدب العربي والأردی وبينهما صلة قويّة من الناحية العلميّة والأدبية- فالأدب العربي وله اثر كبير على الأدب الأردی، فنرى أن الأدب الأردی مملوء بالعناصر العربية والدينية والاسلامية، وقد دخلت هذه العناصر العربية في الأدب الأردی مع دخول العرب في الهند- وقد حازت اللّغة العربية على مكانة عالية مع اللّغة الفارسية في الهند،

☆ بي ايچ۔ ڈی سکالر، جی۔ سی یونیورسٹی فیصل آباد  
☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

وظهرت امّهات الكتب العربية المترجمة من اللّغة العربية مثلما ”وفيات الاعيان“ لابن خلكان و”معجم البلدان“ لياقوت حموى و”حياة الحيوان“ للدميري و”تاريخ الخلفاء“ للشهرزورى الى اللّغة الفارسية ثمّ الى اللّغة الأردية، وكذا ترجمت القصص العربية مثلما ليلي والمجنون، وبلقيس وسليمان، وقصّة يوسف وغيرها الى اللّغة الفارسية واللّغات المحلية الهندية أى الأردية.

أمّا الأدب العربي فهو مزدهر بالتّراث الاسلامي، كما نجد الآثار الاسلامية فيه بكثرة. وقد قام كثير من الشعراء الأرديين باستخدام الاستعارات والكنيات والتلميحات الاسلامية في اشعارهم. وقضى بعض من الشعراء الأرديين حياتهم في مدح النبي ﷺ. أمّا كلمة المعجزة فهي مأخوذة من مادة ا، ع، ج، ز، أي اعجز ومشتقة من كلمة الاعجاز فهي اسم فاعل من الافعال ومعناه الضعف وعدم القدرة وهي كل خارقة تظهر على يد نبي من الأنبياء وقد يقرن بها التحدى لتصديق نبوته ﷺ وكانت لرسول الله محمد ﷺ معجزات كثيرة وما كانت مثلها لأحد من الانبياء.

أمّا المراد بكلمة ”المعجزة“، فقال الامام البيهقي بهذا الصدد:

”وأنت اذا تأملت معجزاته وباهر آياته وكراماته عليه الصلوة والتسليم وجدتها شاملة للعلوى والسفلى والصامت والناطق والساكن والمتحرك والغائب والحاضر والباطن والعاجل والأجل الى غير ذلك كالرمي بالشهب ومنع الشياطين من السّمع، وتسليم الحجر والشجر عليه ﷺ، وشهادته بالرسالة ومخاطبته بالسيادة، وحنين الجذع، ونبع الماء من كفيه، وانشقاق القمر، ورد العين بعد العور، ونطق البعير والذئب، وكان نور المتوارث من آدم الى جبهة أبيه وما سوى ذلك من المعجزات التي تداولتها الرواة... ولو بالغ الأوّلون والآخرون في احصاء مناقبه عليه السلام. (١)

فقال عبد الوهاب الشعراني المتوفى (١٩٠٧م) تعريفاً للكلمة المعجزة:

”وقد حدّد جمهور الأصوليين المعجزة بأنّها أمر خارق للعادة مقرون بالتحدى“ (٢)

وقال سيد ناعمر الفاروق رضى الله عن معجزات النبي ﷺ:

”بأبي أنت وأمي يارسول الله قد بلغ من فضيلتك عند الله تعالى أن أقسم بحياتك دون سائر الأنبياء ولقد بلغ من فضيلتك عنده أن أقسم بتراب قدميك فقال لا أقسم بهذا البلد“ (٣)

وجملة القول أنّ المعجزة عند جمهور العلماء، هي التي تظهر من النبي الكريم

صلى الله عليه وآله وسلم كدليل و حجة لتحقق نبوته ﷺ، لأن الأدلة العقلية والحجج النظرية لا تكاد تؤثر في الأفراد الذين في الظواهر فقط، فظهور المعجزات يكون عوناً كبيراً في سبيل اثبات النبوة والاستسلام لها ولذلك كثير من الأنبياء والرسل قد أتوا بالمعجزات حتى تحقق عظمة نبوتهم ونبينا واحد منهم-

وأما مكانة المعجزات في المدايح النبوية بارزة جداً بالعربية والأردية منذ البداية الى يومنا-ومن الشعراء العربية الذين عاشوا في البلاد العربية وشبه القارة الهندية والباكستانية واهتموا باستخدام المعجزات النبي ﷺ في اشعارهم وعددهم كثيرة، فلا نستطيع أن نعد اسمائهم ومنهم: الصحابي الجليل حسان بن ثابت رضى الله عنه وشرف الدين البوصيرى ومجد الدين الوترى وحضر بن الرفاعي وعلاء الدين بن مليك الحموى وبدر الدين حسن بن عمر وعيسى بن سليمان الطنوبى وابو بكر القرطبي والشاه لى الله الدهلوى وطلا محمد بشاورى و غلام على آزاد البلكرامى وفضل حق الحير آبادى وركن الدين الملتانى وعبد الكريم الرومى وعبد القادر الصديقى ومحمد يوسف البنورى وفيروز الدين دسكوى وهاشم تنوى وقادر بخش بيدل ومولانا اعظم بهاولپورى ومحمد حسن السنهلى غيرهم-

ومن أشهر الشعراء الأردية الذين قاموا ببيان معجزات النبي ﷺ في اشعارهم بالأردية ومنهم: ملا غواصى و، حكيم مؤمن خال مؤمن، وحسن رضا البريلوى، وأحمد رضا البريلوى، واكبر ميرتهى، ومحمد على الظهورى، وحفيظ تائب، وغيرهم، وقد ملئت قصائد هذه الشعراء الأردية والعربية بمعجزات النبي الكريم صلى الله عليه وآله وسلم- ومن المناسب أن أذكر بعض من معجزات النبي الكريم صلى الله عليه وآله وسلم كما ورد في الأحاديث النبوية وكتب السير النبوية قبل أن أقدم أبيات الشعراء العربية والأردية - ان معجزاته صلى الله عليه وآله وسلم مستمرة الى يوم القيامة ومعجزات سائر الأنبياء عليهم الصلوة والتسليم، ومنها: الاسراء والمعراج وانشقاق القمر كما قال الله تعالى في كتابه المجيد: (اقتربت الساعة وانشق القمر)- (٤) وكما ورد في كتب الأحاديث النبوية:

☆ ومنهارف النسيان من أبى هريرة رضى الله عنه (٥)

☆ ومنهالم يقع له ظل على الأرض - (٦)

☆ ومنها أنه قال عليه الصلوة والتسليم: أرسلت الى الخلق كافة- (٧)

- ☆ ومنها أنه قال عليه الصلوة والتسليم: انى اعطيت مفاتيح خزائن الأرض - (٨)
- ☆ ومنها أنه قال عليه الصلوة والتسليم: انى أرى مالاترون وأسمع مالا تسمعون - (٩)
- ☆ ومنها خاتم النبوة بين كتفيه وهو خاتم النبيين ﷺ - (١٠)
- ☆ ومنها اخبار بدء الخلق الى ادخال أهل الجنة كما روى عن عمر ابن الخطاب رضى الله عنه: يقول: "قام فينا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم مقاماً فأخبرنا عن بدء الخلق حتى دخل أهل الجنة منازلهم وأهل النار منازلهم حتى حفظ ذلك من حفظه ونسيه من نسيه" - (١١)
- ☆ ومنها ليس الشئ أطيب من رائحة النبى الكريم ﷺ - (١٢)
- ☆ ومنها صححة عين قتادة رضى الله عنه بمس يد النبى الكريم ﷺ - (١٣)
- ☆ ومنها نبع الماء من بين أصابعه كأمثال العيون - (١٤)
- ☆ ومنها اجتماع الشجرتين بأمر رسول الله ﷺ - (١٥)
- ☆ ومنها سؤال الناس به للاستسقاء كما روى عن انس رضى الله عنه، قال، قال رسول ﷺ: اللهم حوالينا ولا علينا، اللهم على الأكام والظراب وبطون الأودية ومنابت الشجر - (١٦)
- ☆ ومنها كثير الطعام القليل بدعاء ه صلى الله عليه وآله وسلم - (١٧)
- ☆ ومنها حنين الجذع شوقاً اليه - (١٨)
- ☆ ومنها احياء الموتى و كلامهم معه - (١٩)
- ☆ ومنها كلام الصبيان معه وشهادتهم له بالنبوة - (٢٠)
- ☆ ومنها كلام الأشجار وسلامها عليه كما قال على ابن ابى طالب رضى الله عنه كنت مع رسول الله ﷺ بمكة فخرجنا في بعض نواحيها فما استقبله جبل ولا شجر ولا حجر إلا وهو يقول السلام عليك يا رسول الله - (٢١)
- ☆ ومنها كلام الذئب به صلى الله عليه وآله وسلم - (٢٢)
- ☆ ومنها تسبيح الطعام في كفه المبارك كما قال عبدالله بن مسعود رضى الله عنه -
- ☆ كنا نأكل مع النبى الطعام ونحن نسمع تسبيح الطعام (٢٣)
- ☆ ومنها تسليم الحجر عليه كما روى عن جابر بن سمرة رضى الله عنه أنه قال، قال رسول الله ﷺ انى لأعرف حجرا بمكة كان يسلم على قبل أن أبعث وانى لأعرفه الآن - (٢٤)

وكان يلتزم الشعراء العربية والأردية باستخدام معجزات النبي الكريم ﷺ كناية  
او صراحة في قصائدهم وأبياتهم - سنأتى الأمثلة العديدة بهذا الصدد، كما قال حسان بن  
ثابت الأنصارى رضى الله تعالى عنه فى الأبيات التالية، فهو يقول إن النبي الكريم ﷺ  
أعظم الناس ومن معجزاته ﷺ أنه كان يرى ما لا يرى الناس ويخبرنا عن الغيب:

نبي يرى ما لا يرى الناس حوله      ويتلو كتاب اله فى كل مسجد  
وان قال فى يوم مقالة غائبة      فتصدىقهافى اليوم اوفى ضحى الغد (٢٥)  
وقال الشاعر العربى فى الأبيات التالية، إنه ﷺ كان صاحب المعجزات  
العظيمة، واعجزت الورى امامه كما هو يقول:

لك معجزات اعجزت كل الورى      وفضائل جلت فليس تحاكي (٢٦)  
وقال شرف الدين البوصيرى رحمه الله عن معجزات النبي الكريم ﷺ فى الأبيات التالية:

ان من معجزاتك العجز عن      وصفك اذ لا يحده الاحصاء  
كيف يستوعب الكلام سجايك      وهل تنزح البحار الركاء (٢٧)  
وقال حضر ابن الرفاعى رحمه الله على روضة رسول الله ﷺ فى الأبيات التالية:

فى حالة البعد روى كنت ارسلها      تقبل الأرض عنى فهى نائبتى  
وهذه دولة الاشباح قد حضرت      فامدد يمينك كى تحظى بها شفتى (٢٨)  
وقال مجد الدين الوترى رحمه الله عن معجزات النبي الكريم ﷺ فى الأبيات التالية ناشداً:

عجائبه فى المعجزات عجيبة      اليه يحن الجزع والصب يخضع  
عيان آراه صحبه ويمينه      اناملها من بينها الماء ينبع  
علا وتلاً لأليلة الوضع نوره      وامسى به ايوان كسرى يصدع (٢٩)

وقال الشاعر العربى عن معجزات النبي الكريم ﷺ فى الأبيات التالية:  
بمبعثه كل النبيين بشرت      ولا مرسل الا له كان يخطب  
بتوراة موسى نعتة وصفاته      وانجيل عيسى فى المدائح يطنب (٣٠)

وقال شاه ولى الله المحدث، الدهلوى رحمه الله فى الأبيات التالية عن معجزاته  
كثيراً أى كلام الشجر، وسلامها عليه، وحنين الجذع شوقاً إليه، وانشقاق القمر والمعراج له ﷺ:

وكلمه الاحجار والعجم والحصى      وتكليم هذا النوع ليس برائب  
وحن له الجذع القديم تحزنا      فان فراق الحب ادهى المصائب  
واعجب البدر تنشق عنده      وما هو فى اعجازه من عجائب



وشق له جبریل باطن صدره لغسل سواد بالسويداء لازب  
 واسرى على متن البراق الى السماء فيا خير مركوب ويا خير راكب  
 وراعت بليغ الاى كل مجادل خصيم تهادى في مرآة المطالب (٣١)  
 وأشار ابوحيان الاندلسى رحمه الله في الأبيات التالية، إلى معجزته ﷺ أى نبع الماء  
 الطهور من بين أصابعه:

فالنحر مرمره والنشر عنبرة والنغر جوهره والريق معسول  
 نور تمثل في ابصارنا بشرا على الملائك من سيماه تمثيل  
 ونبع ماء فرات من انامله كالعين ثرت فما الهتان ما النيل (٣٢)  
 وقال بدرالدين حسن بن عمر رحمه الله عن معجزات النبي الكريم ﷺ في  
 الأبيات التالية، كما هو يذكر وقعة سقط ايوان كسرى وخمود نيران الفرس  
 ومنور الكائنات بوجهه الكريم عند ولادته السعيدة المباركة:

لمولد خير الرسل احمد اصبحت وجوه الهدى وضاحة متبلجة  
 و اشرفت الدنيا بانوار بدره وعادت به ارجاؤها متأرجحة  
 وايوان كسرى اسقطت شرفاته وحلت عرى ابراجه المتبرحة  
 ونيران بيت الفرس باخ لهيبتها وكانت لديهم الف عام مؤحجة (٣٣)  
 وذكر الشاعر العربى عن معجزات النبي الكريم ﷺ أى امسك الشمس  
 وإنشقاق البدر امام الناس:

سبحان من آيد خير الورى بمعجزاته خارقات غزار  
 وامسك الشمس له ساعة وردها طوعا وزاد النهار  
 وشق بين الناس بدر الدجى شقا ولو الألباب فيه تحار (٣٤)  
 وقد ذكر طلا محمد بشاورى رحمه الله في الأبيات التالية قائلاً، وكان النبي  
 الكريم ﷺ سراجاً منيراً وزاهداً وسقطت ايوان كسرى عند ميلاده ﷺ:

سراج منير زاهد متورع بميلاده ايوان كسرى تهدما (٣٥)  
 وقال: ومن معجزاته ﷺ تكلم ضب ناطقاً امامه وشكى بغير إليه:  
 بتصديقه ضب تكلم ناطقاً اليه بغير قد شكى وتظلما (٣٦)  
 وقال الشاعر العربى عن معجزاته ﷺ أى شق القمر وحنين الجذع في فراقه ﷺ:  
 له حن جذع في الأساطين ثابتاً له شق قرص البدر في مطلع السماء (٣٧)

وأشار الشاعر إلى معجزته ﷺ أى شق القمر بإشارته:

ثم الصلوة على خير الخليقة من كفاه معجزة ان شق في القمر (٣٨)  
 وقال السيد غلام على آزاد البلكرامى رحمه الله في الأبيات التالية، ومن  
 معجزاته ﷺ نبع الماء الطهور من بين أصابعه وشق القمر بإشارته ﷺ:  
 أو من الى فلك الدنيا باصبعه فالبدر خرله خرا على الذقن  
 كأنه نصف التفاح في طبق او درهما زائف من خازن الزمن  
 وشق بدر الدجى ايماء اصبعه نعم واصبعه مفتاح افعال (٣٩)  
 وقال في الأبيات التالية، عندما كان يصعد النبي الكريم ﷺ على المنبر فيحن  
 الجزع حسرة:

احن شوقاً الى الندامى حنين جذع الى الحبيب  
 حن الجذع من الفراق كأنه عود يحن بلايد العواد (٤٠)  
 وأشار الشاعر إلى معجزته ﷺ أى تفجير الماء ببركته ﷺ في الأبيات التالية:  
 اروت عطاش الظامئين يمينه ما كان هذا فى اليد البيضاء  
 تبارك الله روت معشر اطمئوا انهار الخمسة العليا بسلسال (٤١)  
 وقال الشاعر في الأبيات التالية:  
 رجع الشمس بإشارته ﷺ وهي معجزة عظيمة والأحجار كانت تسلم على  
 النبي الكريم ﷺ:

لقد آتانا بشمس غير آفلة يوم افاض علينا رابع الزبر  
 وان لم تقبل الأحجار نبنا فليس النقص من قبل الهتون (٤٢)  
 وقال علاء الدين بن مليك الحموى رحمه الله في الأبيات التالية، إنه عليه  
 الصلوة والسلام يدعو شجرة -:

هذا له الاشجار اذ نادى اتت تسعى علا ساق لخير منادى (٤٣)  
 وقال ابو على محمد بن المستنبر رحمه الله في الأبيات التالية عن معجزاته التى  
 تدل انه عليه الصلوة والسلام رسول الله ﷺ:

وما جاء يدعونا بغير دلالة ولكن بآيات تدل و تشهد  
 ومن ذاك جذع حن شوقاً الى الرضى فما زال ساعات يمسل ويسند (٤٤)  
 وقال الشاعر إنه عليه الصلوة والسلام يسلم عليه الأحجار وهو يسمع أصواتها

ويكون السحاب فوق راسه:

تسلم احجار عليه فصيحة  
 ويسمع من اصواتها في طريق  
 وانشأربى مذنة فوق رأسه  
 تظلل من كل حر يصيبه  
 وان سار، سارت لا تفارق رأسه  
 فقال لهم: هذا النبي محمد ﷺ (٤٥)

وقال الشهاب محمود رحمه الله في الأبيات التالية، إن النبي الكريم ﷺ عندما يصعد على المنبر فيحن الجزع حسرة وهكذا عند ما يرد عينافصارت كما كانت قبل ذلك وعندما يعطى رجلاً العود فصار ذلك العود السيف المهندس، ويذكر ست معجزات النبي الكريم ﷺ ناشداً:

حن اليه الجذع من حسرة  
 وسبح الجلمد في كفه  
 واشبع الألف وما فوقها  
 وقد عودا لامرئ ماله  
 ورد عينافقتت فاغتندى  
 صاحبهامن وقته مبصرا (٤٦)

وقال محمد جار الله السمهودى رحمه الله في قصيدته "ذى القافيتين" أنه عليه الصلوة والسلام صاحب المعجزات ويذكر قصة شق القمر وغيرها قائلًا:

الصبح بدا من طلعه  
 سعت الشجر نطق الحجر  
 والليل دجا من وفرته  
 شق القمر بإشارته (٤٧)

وقال ابراهيم مرزوق رحمه الله في الأبيات التالية، رجع الشمس بإشارته وزاد الماء بكفه:

والماء غاض من البحيرة بعدما  
 والشمس ردت كى يصلى خلفه  
 والماء زاد بكفه فروى به  
 جيش وفاض على الثرى هملا نه (٤٨)

وقال قآنى رحمه الله فى الأبيات التالية، كان النبي الكريم ﷺ صاحب المعجزات، وردت إليه الشمس وانشق القمر بإشارته ﷺ:

لذى ردت اليه الشمس وانشق القمر  
 كان امياً ولكن عنده أم الكتاب

والذى في كفه الكفار لما ابصروا كَلَّمَ الحصباء قالوا شئى عجاب (٤٩)  
وأشار ابو الفتح ركن الدين ملتانى رحمه الله في البيت التالى، إلى معجزة نبع  
الماء من أنامله ﷺ:

محمد نبغ الماء من انامله محمد ريقه يشفى من السقم (٥٠)  
وأشار الدمامينى في البيت التالى، إلى معجزة نبع الماء من أصابعه ﷺ:  
اصابع رام النيل يحكى وفاءها فلم يجرفي نفع الورى ذلك المجرى (٥١)  
وقال محمد هاشم تنوى رحمه الله في البيت التالى، حين ولد النبي الكريم ﷺ فأضاء  
الكون من كل جانب به ﷺ:

اضاء بك الأكوان من كل جانب فيانور الله نور سحامتى (٥٢)  
وقال قادر بخش بيدل رحمه الله في الأبيات التالية، إن النبي الكريم ﷺ هو  
شفيع المذنبين وناسخ الكتب السماوية السابقة وإمام المرسلين ويشير الشاعر إلى  
معجزة معراجة ﷺ:

النبي الاخر السابق شفيع المذنبين ناسخ التوراة امى امام المرسلين  
ليلة الاسراء قد خرق السماء معراجة واصل الدرجات هي فوق مقام العارفين (٥٣)  
وقال محمد حسن سنهلى رحمه الله في الأبيات التالية، ومن معجزاته ﷺ  
نطق الظب له وسجد الإبل أمامه وهو كان صاحب المعراج ﷺ:

يامن له نطق الظبا يامن له سجد الابل يامن يطيع له القضا يامن يوافق القدر  
يامن نبي مامضى يامن يحدث ماتى يامن به السماء يامن له لفظ البقر  
يامن تدلى ليلة من قاب قوسين اقترب يامن على عرش يامن رأى رب البشر (٥٤)  
وقال محمد حسين القادري رحمه الله عن معجزات النبي الكريم ﷺ في الأبيات  
التالية:

ولم يوجد له في الشمس ظل ولا فى التراب آثار المسير  
وأشجار الفلاة اليه سارت كما تجرى السفائن فى البحور  
وشقّ البدر بالايماء ليلاً ورد الشمس باللفظ اليسير (٥٥)  
وقال محمد عبدالقدير صديقى حسرت رحمه الله في البيت التالى، وحن  
الجذع له ﷺ فكيف حال محب من النبي الكريم ﷺ:

الظبي لاذبه والجذع حن له فكيف حال محب شفه السقم (٥٦)

وقال محمد يوسف البنورى رحمه الله في الأبيات التالية، قد شهدت الطبي والضب والذئب والأشجار نبوته ﷺ وحن الجذع شوقاً إليه عند فرقتة ﷺ، وجاء محمد ﷺ بالقرآن لكريم لكى نهتدى به:

الطبي والضب والاشجار قد شهدت كذلك الذئب فى تصديقه اعترفاً  
سبح ذاالحصى فى بطن راحته حاز الحصى من معانى وصفها الشرفا  
والجذع حن اليه عند فرقتة لانه كان بالانوارمكتنفا  
الفاظه نسقت در منضدة دقت لطائفها وهى الزلال صفا  
كالنجم اذلمعت والشمس اذسطعت والعين اذا نبعت والصوب اذوطفا (٥٧)  
وأشار عبدالكريم درس رحمه الله فى الأبيات التالية، ومن معجزته ﷺ تفجيرالماء ببركته ﷺ:

يا من تفجرت الانهار سائلة من اصبعيه فروى الفوج بالرغدا (٥٨)  
وقال محمد فيروز دين دسكوى رحمه الله فى الأبيات التالية، إن النبى الكريم ﷺ فهو سيد الكائنات وكان جبرئيل خادماً له ﷺ:

وجبرائيل له خدم امين كتاب الله ليس له كفاء  
ولما اشرفوا هلكا لعطش فانفجرت اصابعه بماء (٥٩)  
وأشار عيسى بن سليمان الطنوبى رحمه الله فى الأبيات التالية:  
قدم سرت فوق السماء وقوبلت فى ليلة الاسراء بالاقبال  
واجعل جبينك فوقه متبركا تنل الفخار وغاية الآمال (٦٠)  
وأما المعجزات عن النعلين للنبي الكريم ﷺ قد ذكر الشعراء العربية فى الأبيات التالية هم يقولون: غبار نعليه ﷺ كحل لأبصارنا: وقال ابو بكر القرطبي رحمه الله فى البيت التالى:

بأخمص خير الخلق حازت مزية على التاج حتى باهت المفروق الرجل (٦١)  
وقال ابن برطله الاندلسى رحمه الله فى البيت التالى:  
فلله منها اخمص قد تضمنت تود حدود ان تكون نعالها (٦٢)  
وقال مرعى الكرمى رحمه الله فى البيت التالى:  
تمنيت ان الخد موطىء نعله وكحل جفونى من تراب قبالة (٦٣)  
وقال غلام على آزاد البلكرامى فى الأبيات التالية:

غبار نعلیہ کحل فی بصائرنا      جنابہ مستطاب منتهی الطلب  
فوادى تحت نعلك مستریع      وان اصبحت فی قلق البعاد  
كحل العیون غبار نعل المصطفى      وشراكها متمسك المستنجد  
كانما ناظر الحسناء مكتحلا      بترب نعل رسول الله مكحول (۶۴)

فأتى بأبيات الشعراء الأردنية الذين قالوا الشعر مشيرا الى معجزات النبي ﷺ:  
وقال ملا غواصی رحمہ اللہ فی المعجزات النبویة ﷺ فی الأبيات التالية، إن  
النبي الكريم ﷺ سيد الأنبياء ومن معجزاته ﷺ إنشقاق القمر بإشارته:

محمد پیشوا ہے سروران کا      ہے سرخیل سب پیغمبران کا  
محمد تون نبی ہے آج برحق      قمر کون ایک اشارت میں کیا شق  
تری تعریف کا اونچا ہے پایہ      خدا قرآن میں تجکو سراپا  
نبی تون پاک تیرا پاک دیں ہے      سچا تون رحمت اللعالمین ہے (۶۵)

وقال حکیم مؤمن خاں مؤمن رحمہ اللہ عن المعجزات النبویة ﷺ فی الأبيات  
التالية، فيشير الشاعر الى وقعة المعراج بالأشعار الأردنية قائلا:

یہ کیا جسم خاکی کی معراج ہے      کہ نقش قدم عرش کا تاج ہے  
جو کہتے ہیں خرق فلک ہے محال      یہی ہے دلیل حفیض خیال  
سمجھنے کی ہے بات اے نکتہ داں      ہو اخلق جس کے لئے آسمان  
ہو اخرق اس کے لئے پھر اگر      تو کیا دور ہے گفتگو مختصر  
کہاں نکتہ چیں میں دم جنگ ہے      کہ یاں بحث کا دائرہ تنگ ہے  
بس اسے تیرہ باطن نہ انکار کر      کہ برہان ساطع ہے شق القمر  
سمجھ میں جو آوے وہ اعجاز کیا      خیالات و سواس پرداز کیا  
گیا ہے کدھر فلسفی کا خیال      کہاں فکر ناقص کہاں یہ کمال  
تری عقل کیا اے ظلوم و جھول      کہ حیران ہیں یاں سب نفوس و عقول  
فلک سے نہ ہوں حصر اس کی صفات      زیادہ ثوابت سے ہیں معجزات (۶۶)

وقال احمد رضا خاں البریلوی رحمہ اللہ عن معجزات النبي الكريم ﷺ فی  
الأبيات التالية، فيقول قد انزل الله تعالى في كتابه على قلب محمد ﷺ وهذا الكتاب تبياناً  
لكل شئى، واما الأشجار والأحجار و كل شئى قد خلقت لأجله ﷺ:  
ان پر کتاب اترى بياناً لكل شئى      تفصيل جس ماعبر وما غبر کی ہے

معنی قد راء مقصد ما طغیٰ نرگس باغ قدرت پہ لاکھوں سلام (۶۷)  
 ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں سنگ ریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں  
 فرشتے خدم، رسول حشم، تمام امم، غلام کرم  
 وجود و عدم، حدوث و قدم جہاں میں عیاں تمہارے لئے  
 بصال کل، امامت کل، سیادت کل، امارت کل  
 حکومت کل، ولایت کل، خدا کے جہاں تمہارے لئے (۶۸)  
 وقد أشار الشاعر الأردی فی البیت التالی الی معجزاته ﷺ فنبع الماء الطهور من  
 بین أصابعه وتفجير الماء ببركته ﷺ:

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر  
 ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ (۶۹)  
 وقال احسان دانش رحمه الله فی معجزات النبی الکریم ﷺ فی الآیات  
 التالیة، تکلمه الأشجار والأحجار ويشهد الأحجار نبوته ﷺ:  
 سنگریزوں کو سزا مل گئی بولے اشجار یوں اجاگر ہوئے آثار رسالت تجھ سے  
 دنیا کے اہل فکر و نظر دنگ رہ گئے کلمہ جو کنکروں کو پڑھا یا حضور نے (۷۰)  
 وقال مظفر وارثی رحمه الله عن معجزات النبی الکریم ﷺ فی الآیات التالیة:  
 دست بوجھل میں بول اٹھیں کنکریں بے زبانوں سے حق کی شہادت ملی  
 انگلیاں بھی ہیں آپ کی لہریں بحر آب بقا سلام علیک (۷۱)  
 وقال اکبر میرتھی رحمه الله فی الآیات التالیة، إن النبی الکریم ﷺ کان نورا  
 فاستنار الشمس والقمر بنوره علیه السلام وتکلمه الشجر والأحجار، نحن نرید ونشتاق  
 أن نزور النبی الکریم ﷺ:

دیکھے ترا جلوہ تو تڑپ جائے نظر میں روشن ہیں تیرے نور سے سورج بھی قمر بھی  
 دی طائروں نے تیری رسالت کی گواہی بول اٹھے ترے حکم سے پتھر بھی شجر بھی  
 محبوب دو عالم ہے کدھر دیکھئے، دیکھئے مشتاق نگاہوں کے ادھر بھی ہیں ادھر بھی  
 دے ڈالیں گے جاں شربت دیدار کے بدلے مرنے پہ تو ملتا ہے تو ہم جائیں گے مر بھی (۷۲)  
 وقال محمد علی الظهوری رحمه الله عن معجزات النبی الکریم ﷺ فی الآیات  
 التالیة، أی تکلمت الأشجار من النبی الکریم ﷺ وكانت الشمس والقمر تطیع النبی  
 الکریم ﷺ:

وہ بلائیں شجر چل کے آئے      چاند سورج بھی سر نہ اٹھائے  
بادشاہ کو نہ خاطر میں لائے      ہے یہ رتبہ نبی کے گدا کا (۷۳)  
وقال حفیظ تائب رحمہ اللہ فی المعجزات النبویة ﷺ فی الآیات التالیة، و أشار  
الشاعر الاردی عن معجزاته شتی ای کلام الشجر، تسلیم الشجر علیہ وانشقاق القمر  
بإشارته ﷺ:

اعجاز یہ بھی ہے ترے خلق عظیم کا      پل بھر میں موم ہو گئے پتھر ترے حضور  
اشجار نے بھی تری صداقت بیان کی      بولے زبان حال سے کنکر ترے حضور  
پاکر تری انگشت شہادت کا اشارہ      مہتاب کا سینہ ہوا شق ہادی برحق (۷۴)  
وقال عبدالستار نیازی رحمہ اللہ عن معجزات النبی الکریم ﷺ فی الآیات  
التالیة، وکان النبی الکریم ﷺ صاحب المعجزات العظیمة ویشیر الشاعر إلی معجزاته  
شتی کما، تسلیم الحجر علیہ، وانشقاق القمر، وکلام الشجر و سلامها علیہ ﷺ:

جب کنکروں کو آپ نے اذن سخن دیا      مٹھی میں بوجھل کی انھیں بولنا پڑا  
تجھ پر فدا شمس و قمر تیری گواہی دیں حجر      سرخم کریں آکر شجر کنکر پڑھیں کلمہ ترا  
دی گواہی پتھروں نے چاند دو ٹکڑے ہوا      اور شجر بھی کرتے ہیں طاعت رسول اللہ کی  
یہ شمس و قمر ان کے چلتے ہیں اشارے پر      پھرتو نے انھیں کیوں کر اپنا سا بشر جلا (۷۵)  
وقال اختر بجنوری عن معجزات النبی الکریم ﷺ فی البیت التالی:

کہا بولو! تو بولے سنگریزے      محمد کی زباں میں یہ اثر ہے ۷۶  
وقال محمد صدیق فتحبوری عن معجزات النبی الکریم ﷺ فی البیت التالی:  
چاند ٹکڑے ہوا کنکری بول اٹھی      اک اشارے سے کیا معجزہ ہو گیا (۷۷)

وجملة القول فلا بد لنا أن نؤمن، أن حياة بعض الشعراء العربية والأردية مملوءة  
لحب النبي الکریم ﷺ منذ طفولتهم إلى وفاتهم، وقضى حياة هؤلاء الشعراء العربية  
والأردية في حب رسول الله ﷺ وکان حبهم حبا واثقا و كانت كیفیة الشعراء العربية  
والأردية المادحين كالسّمك الذي أبعد من البحر وکان مضطربا لا اتصال البحر، فيسعى  
الشعراء العربية والأردية بتزيين كلامهم بذكر معجزات النبي الکریم ﷺ حسب  
ستاعتهم وفكرهم- لا ريب أنهم بارعون في مجالاتهم خلال ذكر معجزات النبي  
الکریم ﷺ و كانت قلوبهم مملوءة من حب النبي الکریم ﷺ و بعد استعراض نموذج  
كلام الشعراء العربية والأردية في معجزات النبي الکریم ﷺ فلا ننكر من هذه الحقيقة



البيّنة، أن فكر الشعراء العربية والأردنية متفق في هذا الموضوع، وكذا نجد التشابه في فكر الشعراء العربية والأردنية حول هذا الموضوع ولكن فاق الشعراء العربية على الشعراء الأردنية بهذا الصدد. فتاتون الشعراء الأردنيون بالتلميحات و الاستعارات و الكنايات الاسلامية في اشعارهم متبعا لشعراء العرب.

فالشعراء العرب والأردنيون يذكرون معجزات النبي ﷺ صراحة و احيانا مستخدماً الاستعارات و الكنايات. فيذكرون المعجزات متصفاً له ﷺ مثلما، يقولون الشعراء: كانت تنام عيناه ﷺ ولا ينام قلبه ﷺ. وكان ريح عرقه ﷺ أطيب من ريح المسك. ولا يقع على ثيابه ﷺ ذباب قط. حين ولد النبي الكريم صلى الله عليه وآله وسلم سقطت ايوان كسرى و خمدت نيران الفرس و أشرقت الكائنات بوجهه الكريم ﷺ. و تكلم صب ناطقاً امامه و شكى بغير اليه. عندما كان النبي الكريم ﷺ يصعد على المنبر فيحن الجذع حسرة. انه ﷺ يدعو شجرة فهي تسعى الى النبي الكريم صلى الله عليه وآله وسلم. كانت الشمس والقمر تطيع النبي الكريم ﷺ. وان الملائكة تسير معه حيث سار يمشون خلف ظهره. و يجب علينا أن نصلى و نسلم عليه ﷺ وغيرها.



## هوامش

- (١) البيهقي، احمد بن الحسين بن علي بن موسى الخراساني المتوفى: ٥٤٥٨هـ: دلائل النبوة، المحقق: د عبد المعطي قلعي، بيروت، دار الكتب العلمية، ط:، ج: ٧، ٤٠٨، ٥١٤، ١٩٨٨ م، ص: ٢٦٩
- (٢) الزرقاني، ابو عبد الله محمد الزرقاني: شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، القاهرة، دار الكتب العلمية، ط: ١، ج: ٢، ١٧، ١٤١٧، ١٩٩٦ م، ص: ٢٣٤
- (٣) البيهقي، احمد بن الحسن بن علي بن موسى المتوفى: ٥٤٥٨هـ: دلائل النبوة و معرفة، بيروت، دار الكتب العلمية، ج: ٢، ٥١٤٠٥، ص: ٢٦٩
- (٤) الآية الكريمة: القمر، ١
- (٥) الزرقاني، محمد بن عبد الباقي، مختصر المقاصد الحسنة الرياض، المكتب الاسلامي

- بدون تاريخ الطبع، ص: ١١٢
- (٦) البخارى، محمد بن اسماعيل: الجامع الصحيح كراتشى، ج: ١، اصح المطابع، ٥١٣٨١، ص: ٢٢
- (٧) السيوطى، الخصائص الكبرى بيروت، دارالكتب العلمية، ج: ١، بدون تاريخ الطبع، ص: ٦٨
- (ب) القسطلانى، احمد بن محمد بن ابى بكر بن عبد الملك القسطلانى، القتيبي المصرى، ابو العباس شهاب الدين المتوفى: ٥٩٢٣: المواهب اللدنية بالمنح المحمدية القاهرة، المكتبة التوفيقية، ط: ١، ج: ٢، بدون تاريخ الطبعة، ص: ٦٣٣
- (٨) مسلم بن الحجاج النيسابورى: المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل الى رسول الله ﷺ، بيروت، ط: ١، دار احياء التراث العربى، ج: ٧، ٥١٤٠٥-٥١٤٠٥
- (٩) البخارى، محمد بن اسماعيل: الجامع الصحيح ج ٢، ص: ٥٨٥
- (١٠) الترمذى، محمد بن عيسى: الجامع الكبير، جامع الترمذى، تحقيق: بشار عواد معروف، بيروت، دار الغرب الاسلامى، ج: ٢، ص: ٥٧، ١٩٩٨م
- (١١) ابن هشام، ابو محمد عبد المالك: السيرة النبوية، القاهرة، مطبعة حجازى، ج: ٢، ص: ٣٥٤، ١٩٣٧م
- (ب) الدّهبي، محمد بن احمد بن عثمان: السيرة النبوية القاهرة، المطبع القدسي، ج: ٢، بدون تاريخ الطبع، ص: ٨
- (١٢) البخارى، محمد بن اسماعيل: الجامع الصحيح ج: ١، ص: ٤٥٣
- (١٣) مسلم بن الحجاج النيسابورى: المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل الى رسول الله ﷺ، بيروت، ط: ١، دار احياء التراث العربى، ج: ٧، ٥١٤٠٥-٥١٤٠٥، ص: ٢٥٧
- (١٤) السيوطى، جلال الدين: الخصائص الكبرى، بيروت، دارالكتب العلمية، ج: ١، ٥١٣٢٠، ص: ٢٠٥
- (١٥) البخارى، محمد بن اسماعيل: الجامع الصحيح، ج: ١، ص: ٥٠٥
- (١٦) أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله المعروف بابن البيع المتوفى: ٥٤٠٥: المستدرک على الصحيحين، بيروت، دارالكتب العلمية، ٥١٤١١م، ١٩٩٠م، ص: ٦١٧

- (١٧) البخارى، محمد بن اسماعيل: الجامع الصحيح، ج: ١، ص: ١٢٧
- (١٨) أبو الفداء، اسماعيل بن عمر بن كثير المتوفى: ٥٧٧٤: تفسير القرآن العظيم: بيروت، دار الكتب ط: ١، ص: ٥٣٦، ٥١٤١٩ -
- (١٩) البخارى، محمد بن اسماعيل: الجامع الصحيح، ج: ١، ص: ٥٠٦
- (٢٠) النبهانى، يوسف بن اسماعيل، حجة الله على العالمين، ص: ٤٢٢
- (٢١) محمد امين، المفتى: البرهان، مكتبة سلطانية، فيصل آباد، بدون تاريخ الطبعة، ص: ١٢٧
- (٢٢) ابو عبدا لله الحاكم محمد بن عبدا لله الحكم الضبى النيسابورى: المستدرک على الصحيحين، بيروت، دار الكتب العلمية، ط: ١، ج: ٢، ٥١٤١١، ١٩٩٠ م، ص: ٦٢٠ -
- (٢٣) البغوى، حسين بن مسعود: مصاييح السنة ج: ٤، دارالمعرفة، بيروت، ص: ١١٧
- (٢٤) البخارى، محمد بن اسماعيل: الجامع الصحيح، ص: ٤٩٦
- (٢٥) حسان بن ثابت الأنصارى، ديوان حسان، بيروت، دار بيروت للطباعة والنشر، ١٣٩٤/٥١٩٧٣ م، ص: ٨٨
- (٢٦) الابشيهى، شهاب الدين محمد بن احمد: المستطرف فى كل فن مستطرف، تحقيق: د مفيد محمد قميحة، بيروت، دار الكتب العلمية، ط: ٣، ض: ١، ص: ٤٩٢
- (٢٧) البوصيرى، شرف الدين: ديوان البوصيرى، القاهرة، الطبعة الثانية، ١٩٧٣ م
- (٢٨) التلواحى، ابراهيم بن محمد: مجموعة القصائد، دهلى، مطبع المجتبائى، ٥١٣٢٧ م، ص: ٤٠
- (٢٩) النبهانى، يوسف بن اسماعيل الشيخ، المجموعة النبهانية، ج: ١، ص: ٧٧
- (٣٠) نفس المصدر
- (٣١) الدهلوى، ولى الله: أطيب النغم فى مدح سيد العرب والعجم، دهلى، المطبعة المجتبائى، ٥١٣٠٨، ص: ٣٢
- (٣٢) النبهانى، يوسف بن اسماعيل: المجموعة النبهانية، فى المدائح النبوية، بيروت، المطبعة الأدبية، ٥١٣٢٠، ج: ٣، ص: ٥٢
- (٣٣) النبهانى، يوسف بن اسماعيل: جواهر البحار، فى فضائل النبى ﷺ المختار، بيروت، دار الكتب العلمية، ٥١٣١٢، ص: ١٢٧
- (٣٤) المصدر السابق
- (٣٥) احمد بخش، خواجه: العروة الوثقى أسماء أهل التقى، بشاور، مطبع بشاور،

- ٥١٢٨٥، ص: ٦٤
- (٣٦) نفس المصدر
- (٣٧) الحسنى، عبدالحى: نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر، مطبعة دائرة المعارف العثمانية، الجزء الثامن، ص ٢٠١، ١٣٦٦هـ
- (٣٨) نفس المصدر
- (٣٩) آزاد، غلام على، حسان الهند: الديوان الأول، حيدرآباد، مطبعة كثر العلوم، دكن ١١٨٧م ص ١٠
- (٤٠) المصدر السابق
- (٤١) المصدر السابق، ص ٣٤
- (٤٢) المصدر السابق، ص ٢٢
- (٤٣) النبهانى، يوسف بن اسماعيل الشيخ، المجموعة النبهانية، ج: ٢، ص ٦٩
- (٤٤) محمد طفيل: "نقوش"، سيرت نمبر: ص: ٢٦٩
- (٤٥) المصدر السابق، ٢٧٠
- (٤٦) النبهانى، يوسف بن اسماعيل الشيخ، المجموعة النبهانية، ج: ٢، ص: ١٧١
- (٤٧) محمد طفيل: "نقوش"، سيرت نمبر: ص: ٢٣٩
- (٤٨) ابن مرزوق، ابراهيم بيك: الدر البهى المنسوق، خرطوم، ط: ١، المطبعة الوهبية، بدون تاريخ الطبعة
- (٤٩) درس عبد الكريم: انتخاب قصائد، ص: ١٣
- (٥٠) عبد الغنى ركن الدين ملتانى: ديوان غنى، كراتشى، ص: ٧٤
- (٥١) النبهانى، يوسف بن اسماعيل الشيخ، المجموعة النبهانية، ج: ٢، ص: ٢١٣
- (٥٢) التتوى، محمد هاشم، مخلوم، بذل القوة، سنده، سنده ادبى بور، ١٩٧٧م، ص: ٨٤
- (٥٣) سندهى، عبد المجيد، دكتور: سندهى نعتيه شاعرى، سندهى ادبى اكادمى لار كانه، ١٩٨٠م، ص: ٦١
- (٥٤) رحمان على: كلزار نعت، كانبور، مطبع نظامى، ط: ١، ١٣١٩هـ، ص: ١٧
- (٥٥) القادري، محمد حسين: حديث النفس، لاهور، المجمع العربى، ط: ١، ١٩٩٥م، ص: ٢٦
- (٥٦) صديقى عبد العزيز: زفرات الأشواق، دكن، مطبوعة، ١٣١٣هـ، ص: ٩
- (٥٧) الحسنى، عبدالحى: نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر، الجزء الثامن، ص: ٤٥١، ٣٦٦

- (۵۸) درس، عبد الکریم: منتخب دیوان المدرس، کراتشی، مطبع المحمدیہ، بدون الطبع، ص: ۱۲
- (۵۹) ۶۵۔ القریشی، محمد اسحاق، یر صغیر میں عربی نعتیہ شاعری، لاہور، مرکز معارف اولیاء۔ ص: ۸۲۷
- (۶۰) النبهانی، یوسف بن اسماعیل الشیخ، المجموعۃ النہانیۃ، ج: ۳، ص: ۴۰۰
- (۶۱) المصدر السابق، ج: ۳، ص: ۳۴۶
- (۶۲) المصدر السابق، ج: ۳، ص: ۴۰۲
- (۶۳) المصدر السابق، ج: ۳، ص: ۴۰۵
- (۶۴) بلغرامی، آزاد، غلام علی، السید، الادیان الأول، ص: ۷
- (۶۵) جامعة بنجاب: تاریخ ادبیات مسلمانان الہند، لاہور، جامعة بنجاب، ج: ۸، ص: ۱۹۷۲م، ص: ۴۲۷
- (۶۶) مومن خان، مومن کلیات مؤمن، حیدرآباد، مجلس اشاعت، ج: ۲، ص: ۴۱۹
- (۶۷) ریاض مجید، الدكتور، اردو میں نعت گوئی، ص: ۴۱۰
- (۶۸) البریلوی، خان، احمد رضا، حدائق بخشش، کراتشی، مدینہ پبلشنگ، بدون تاریخ الطبع، ص: ۵۲
- (۶۹) دانش، احسان، ایر نیسان، لاہور، مکتبہ دانش پبلشر، بدون تاریخ الطبع، ص: ۱۷۵
- (۷۰) المصدر السابق، ص: ۱۱۶
- (۷۱) وارثی، مظفر، باب حرم، لاہور ماوراء پبلشرز، بدون تاریخ الطبع، ص: ۳۴
- (۷۲) میرتھی، اکبر، کلام اکبر، ص: ۱۵
- (۷۳) الظہوری، محمد علی: کلیات ظہوری، لاہور، خزینہ علم ادب، بدون تاریخ الطبع، ص: ۲۸
- (۷۴) تائب، حفیظ، صلو علیہ وآلہ کلیات، لاہور، سیرت مشن، ۱۹۷۸م، ص: ۱۷۱
- (۷۵) نیاز، عبدالستار، حرف حرف خوشبو، لاہور، نوریہ رضویہ گنج بخش رود، بدون تاریخ الطبع، ص: ۳۰
- (۷۶) محمد قاسم، السید، پاکستان کے نعت گو شعراء، کراتشی، ہارون، اکیڈمی، اورنک جہاں پبلیکیشنز، ص: ۱۲۵
- (۷۷) المصدر السابق، ص: ۳۲۱



## پنجابی شعر ریت دی ونک: کسب نامہ

☆ ڈاکٹر عاصمہ قادری ☆

### Abstract:

Kasb Nama is a popular genre in classical Punjabi Poetry. Kasb Namas recount the ways and means which constitute a trade or profession. The present essay discusses some Kasb Namas by eminent poets bringing out the metaphorical elements in them; these are then related to the metaphysical and moral outlook of the poets. The essay seeks to point out the inherent emphasis in Kasb Namas on the social significance of the work of low caste artisans and menial labourers

پنجابی شعر ادب وچ کسب نامے وڈی گنتی وچ لکھے ملدے نیں۔ کجھ کسب نامیاں دیاں ونگیاں توں ایس صنف دی بھترتے موضوع دے کھلارنوں سمجھن دا آہر کیتا گیا ہے۔ کسب نامہ پنجابی ادب دی اک وڈی صنف ہے۔ مختلف کسباں دے بارے لکھے کسب نامیاں دے نام اوہناں کسباں دے ناواں تے ہوندے نیں۔ مشہور کسب نامے لوہار نامہ، چوہڑیٹھی نامہ تے بافندہ نامہ ہن۔ اوہ جلاہی، گجری تے چھیاری نیں۔ چوہڑیاں دے کم بارے جو کسب نامے لکھے گئے اوہ چوہڑیٹھی نامے یا چوہڑی نامے اکھواندے نیں۔ جولاہیاں دے کم بارے لکھی جان والی تخلیق بافندہ نامہ اکھواندی اے بافندہ، بافتن مصدر توں اے۔ فارسی لفظ اے۔ بافندہ دا مطلب اے اُن والا۔ ”جُلاہی“ دے سرتاویں نال لکھیا کسب نامہ وی جُلاہیاں دے کم دا ویروا کردا اے۔ اِنج ای گجراں دے کم دے حوالے نال ”گجری“ تے چھیاریاں (چھڑے دا کم کرن والے) دے کم لئی ”چھیاری“ لکھی گئی۔

☆ اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ پنجابی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر رتن سنگھ جگی ”کسب نامے“ بارے لکھدے ہن:  
 ”ایہہ پنجابی کوتا دی اک ودھا ہے۔ جس راہیں بھن بھن دے اتے زندگی  
 دے حالات بارے شلا گھا۔ یوکت ورن ہوندی ہے۔ احمد یاردے کسب نامے  
 پراپت ہن۔ 1- کسب نامہ دُر و دگراں (ترکھاناں)، 2- کسب نامہ حد و دگراں  
 (لوہاراں)، 3- کسب نامہ للاریاں، 4- کسب نامہ دھوبیاں، 5- کسب نامہ  
 درجیاں اتے 6- کسب نامہ قصائیاں آد۔ (1)

### i- لوہار نامہ

احمد یار مرالوی دے لکھے ”کسب نامہ لوہاراں“ وچ لوہاراں دے کسب نوں وڈیا گیا ہے۔  
 حمد، نعت تے منقبت لکھن چکچھوں شاعر نے اس کسب نوں حضرت آدم توں شروع کیتا ہے۔ پھیر ایس  
 کسب نوں کامیاب بناون دے گرد سے نیں۔ لوہاراں دے کسب وچ ورتے جان والے اوزاراں نوں  
 وی رمزاں نال ورتیا ہے۔ نال نال قرآنی آیتیاں وی دتیاں نیں۔ لوہاراں دے کسب دے باراں فرض  
 گنوائے نیں جیہناں نوں پورا کرن نال اس کم وچ برکت ہوندی اے۔ کسب کوئی وی مندا نہیں ہوندا۔  
 جے نیک نیتی نال کم کیتا جاوے تاں کسب باعزت ہے۔ پر نیت دی خرابی ہی کسب نوں ماڑا تے کمائی  
 نوں حرام بناؤندی ہے۔ کسے بندے دے چنگایاں مندا ہوون دی ونڈ کسب اتے نہیں کیتی جاسکدی  
 کیوں جے کسب کوئی وی ماڑا نہیں ہوندا تے لوہاراں دے کسب دی نینہہ وی پیغمبراں نے رکھی:

کامل کسب لوہاراں والا جس لایا پھل پایا	لوہا، الرہ ذکر بدن دا کھلاں آہرن تایا
اُستاکار دوکان لئیدے بیٹھے پھڑکے سٹھی	کولے غفلت دی وا بھکھدے دو نیناں دی کھنی
اوہلا کر کے مار ہتھوڑا زہد ریاضت والا	مت چنگال اڈن تے تیرا ہو جاوے منہ کالا
دندے الرہ ذکر قلب دا مُرشد پکڑ ہوئی	اچھل وداناں وانگ برے تے کوڑا ہونویں بھائی
آؤن ڈنگے ترکلے والے جے سومارن بولے	بوللا ہور ہولو ہے وانگوں فلک ہو جاوے کولے
ایہہ لوہا محبت والا جاں آوے تے کٹے	دو نیناں دی ٹومب بھکھا کے ہنجودے وچ سٹے
کوڑا لوہا ہے دل میرا ناہیں مٹھا تھیوے	میرا ہادی کھوٹ وںجاوے شاہلا نوشہ جیوے

کڈ لوواں غبار دلے دا اگدوں پھڑے صفائی ورمہ وگدا لایاں والا مُرشد کافی لائی  
 آہرن کامل عشق بھکھایا شوق پئے چولیس ان پون کوئی راہ نہ جانے آن پیاوے گلیں  
 چوسا پھیر اتاریں اڑیا دل نوں آوے صافی کافی تینوں بے چت رکھیں یار میرے دی کافی (2)

## ii- چوہڑی نامہ

چوہڑی نامہ اک خاص کسب نال جڑی ہوئی صنف اے۔ کسب دی علامتی سمجھ پاروں ای  
 ایہہ صنف بنی اے۔ اساڈے کلاسیکی شاعراں نے ایس صنف نوں شاعری لئی ورت کے تے آپنے  
 آپنوں چوہڑی یاں بھنگن آکھ کے ایس کم نوں وڈیا نیا اے۔ چوہڑی نامے پورے پورے وی لکھے  
 گئے نیں۔ کدھرے شاعراں نے سینت وچ وی گل کیتی اے۔ شاہ حسین دی کافی ہے:

چوہڑی ہاں دربار دی  
 دھیان دی چھجلی، گیان دا جھاڑو، کام کرودھ نت جھاڑ دی  
 قاضی جانے، سانوں حاکم جانے، ساتھ فارغ خطی وگار دی  
 کل جانے، ارمہتہ جانے، میں ٹہل کراں سرکار دی  
 کہے حسین فقیر نما، طلب تیرے دیدار دی (3)

مشہور چوہڑی نامہ وارث شاہ دے نام نال منسوب ہے۔ وارث شاہ دے چوہڑی  
 نامے دی تعریف میاں محمد بخش نے سیف الملوک وچ ارج کیتی اے۔

وارث شاہ سخن دا وارث نندے کون اوہناں نوں  
 حرف اوہدے تے اُنکلی دھرنی ناہیں قدر اسانوں  
 جیہڑی اوس چوہڑی آکھی، جے سمجھے کوئی ساری  
 پک پک سخن اندر خوشبوئیں وانگ پھلاں دی کھاری (4)

وارث شاہ دی ایس لکھت بارے عالماں وچکار بحث چلدی رہی ہے۔ ایہہ ”چوہڑی“  
 وارث شاہ دی تصنیف ہے یاں کسے ہور دی؟ سید سبط الحسن ضیغم ہوراں اس گل تے ڈھیر بحث کیتی  
 ہے۔ اوہناں ڈاکٹر کلیر سنگھ کانگ تے چودھری محمد افضل خاں دا حوالہ دتا جو چوہڑی نامے نوں وارث



دی تخلیق مندے ہن۔ ڈاکٹر جیت سنگھ سیتل ”ہیر“ توں دکھ کسے وی لکھت نوں وارث شاہ دامن توں انکاری نیں۔ 149 سبٹ الحسن ضیغم وی اس ساری بحث توں ایہہ سا کڈھیا۔

”چوہڑی نامہ سید وارث شاہ جنڈیالوی دی رچنا نہیں سگوں میاں وارث تارڑ اس دے سر جہار ہن“۔ (5)

سید سبٹ الحسن ضیغم ہوراں دی اس کھوج نال ”وارث شاہ (زندگی اور زمانہ)“ دے لکھاری شریف گنجابھی، سجاد حیدر تے محمد آصف خان اتفاق نہیں کردے۔ کیوں جے سبٹ الحسن ضیغم دی پرکھ دا اصول ٹھیک نہیں، کہ جیہناں لکھتاں اندر ”وارث شاہ“ دا لفظ آیا اوہ وارث شاہ جنڈیالوی دیاں نیں تے باقی وارث رسول نگری والے یا کسے ہور وارث دیاں نیں۔ ایس اصول نوں مکھ رکھیے تاں ہیر وچ چالیہہ مقطے ایہیے نیں جیہناں وچ وارث شاہ نہیں سگوں وارث آیا۔ (6) سو جا پدا اے جو ایہہ کھوجکار ”چوہڑی“ نوں وارث شاہ دی تخلیق مندے ہن۔

وارث شاہ دی لکھی چوہڑی 1913 دی چھپی ملی ہے۔ چوہڑی آپنی عاجزی نال رب تے اوہدے محبوب حضور اگے گناہواں دی بخشش دی بینتی کردی ہے۔ چوہڑی نوں مان اس کسب تے ہے۔ اوہ کہندی اے میں کائنات دے کھلار توں وی پہلاں چوہڑی ساں۔ اوہدے اس آکھن وچ کوئی شکوہ نہیں ہے۔ ہر تن مصرعیاں مگروں اس مصرعے دی دہرائی ہے۔

ہادی دے درباروں میں چوہڑی یاں

چھٹ گئی کارو گاروں میں چوہڑی یاں

لوکائی اس کم نوں کرن والے نوں نمانا سمجھدی ہے۔ بھید نہیں جاندا کوئی تے جے کر بھید جان لئے تاں چھپاؤندا اے۔ رب سر جہاراے اوہدا کرم تے مہر اوڑیاں تے وی وسدا ہے۔ ہُن چوہڑی دسدی اے کہ میرا کم صفائی کرنا اے تے میں کام، کرودھ، لوبھ، موہ، ہنکار نوں چھان پھٹک کے صاف کیتا تاں اندروں اصل نوں پالیا۔ اپنی محنت باجھ وی جو مالک دیوے مزدوری اوہ پُپ کر کے لے لینی آں۔ جے بولاں تاں ساری محنت اکارت جاوے۔ شکوہ شکایت کوئی نہیں ہے۔ ذکر دھیان دی مونگی نال نفس نوں کٹنی آں پر ایہہ حرام کھانوں بازنہیں آؤندا۔

کی چوہڑے کی ذات چوہڑیاں دی لوک اسانوں ہسے  
 جس پایا تس چا چھپایا بھید نہ کوئی دسے  
 وارث عشق نہ پچھے ذاتیں فضل اروڑی دسے  
 ہادی دے درباروں میں چوہڑیڑیاں چھٹ گئی کار وگاروں میں چوہڑیڑیاں  
 تن کھلوڑ آہیں کاہیں بھریاں درد گہایا  
 کام کرودھ تے لوبھ موہ ہنکار وکھو وکھ اڈایا  
 وارث بوبل ذات الہی دانہ نکل آیا  
 ہادی دے درباروں میں چوہڑیڑیاں چھٹ گئی کار وگاروں میں چوہڑیڑیاں  
 سر تے بھار گناہاں چھجلی کلمہ ہتھ بھاری  
 پھڑ شوق ترنگلی کوڑ ننڈیا گھنڈی گرد نتاری  
 وارث بوبل صاف کراں لے فضلوں وانیاری  
 ہادی دے درباروں میں چوہڑیڑیاں چھٹ گئی کار وگاروں میں چوہڑیڑیاں (7)

چوہڑی اپنے کم نوں کردیاں جو اوکڑاں تے دکھ سہندی اے اوس نوں بیان کردی اے۔  
 سچے مالک نال عشق اے پکا جس پاروں ایہہ دکھ جرنی آں۔ دکھے ٹھڈے کھانی آں۔ ساریاں دا گند  
 چُک کے گھراں دیاں صفائیاں کرنی آں تے کیہ مان کرنا اے اس اُتے، جو نواں پرانا لھھے پالیا۔ جو سبھرا  
 بیہا لبھا کھالیا۔ صبر شکر کرنی آں بس سائیں دے دربار میری پت رہوے۔

گوہا تھپن تے گُوڑا سٹن کارا ساڈی ایہا  
 نواں پُرانا کپڑا لیتا کھڑا سبھرا بیہا  
 وارث کیہ بنیاد اساڈی مان نمائی کیہا (8)

ہُن اپنے کم توں اگے ودھ کے چوہڑی علم دی گل کردی اے۔ روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ تے  
 سارا علم مالک دی رضا حاصل کرن لئی اے۔ چوہڑی سلوک دے ایہہ سارے پڑاں پار کر کے سچے  
 سائیں اگے جا کھلوندی اے۔ مان، گمان، آکڑدی ننڈیا کردی اے۔ مینا نکا جیہا پچھی اے نمانا جیہا پر

اوہ ”میں“ دی ”نہ“ کردی اے تاں ای بادشاہاں دے ہتھاں تے بہہ کے عزت پاؤندی اے۔

خودی تکبر رب نہ بھاوے دیکھ لیو جییں بھائے  
حضرت سلیمان بھٹھ جھکایا یوسف مصر وکائے  
وارث آرہ دھر زکریا سر تا پیر چرائے

ہادی دے درباروں میں چوہڑیٹیاں چھٹ گئی کار وگاروں میں چوہڑیٹیاں  
میں میں کردی بکری الٹی کھل لہائے  
عزازیل نوں خودیوں گل وچ لعنت طوق پوائے  
وارث مینا میں نہ آکھیا تا شاہاں دست بہائے ( 9 )

ایس جہان اندر نہ بادشاہ رہے نیں ہمیش تے نہ ای پیر پیغمبر۔ سبھ نے جانا اے۔ ایہہ دنیا  
جھوٹھ داپسار اے سارا۔ جو ظلم کردے نیں ماڑیاں تے انت پچھتاون گے۔ میں تے پیراں دے دردی  
چوہڑی آں۔ پیراں دی نظر تھیری اے میرے لئی۔ میرے پلے تے کجھ وی نہیں بس عاجزی ہے۔

پیر پیراں سر حضرت میراں چوہڑی ہاں جس در دی  
مُریدی لاتخت میں پڑھیا ہُن خوف نہ کوئی کر دی  
وارث میں ساں دردی ہُن میں گیا سبھ ڈر دی

ہادی دے درباروں میں چوہڑیٹیاں چھٹ گئی کار وگاروں میں چوہڑیٹیاں  
عبدالقادر غوث الاعظم پیر اساڈا میراں  
بیڑی غرق نکلائی پل وچ معاف کرے تقصیراں  
وارث خاص مریداں کیہ غم توں دل وچ رکھ نظیراں

ہادی دے درباروں میں چوہڑیٹیاں چھٹ گئی کار وگاروں میں چوہڑیٹیاں  
میں چوہڑی جناب عالی دی میں چنگا عمل نہ کوئی  
چھڈ گُمان ایمان پاوسی مردیاں لدھی ڈھوئی  
وارث لاج پیا گل مُرشد کرم غلام کیتوئی

ہادی دے درباروں میں چوہڑیٹیاں چھٹ گئی کار وگاروں میں چوہڑیٹیاں (10)

چو ہڑی دے کم نون علامت بنا کے شاعر نے جیون دیاں رمزاں بیان کیتیاں نیں۔ چو ہڑی جو رچھ ورتدی اے اپنے کم لئی بہاری، ترنگل، ٹوکری وغیرہ۔ ایہہ صرف باہر دی صفائی نہیں کردے سگوں ایہناں دا اصل کم من اندر دے کوڑے نوں ہونجی اے۔ علم انسان دی وڈیائی اے پر جے ایہہ مان گمان بن جاوے تاں تباہی وی بن سکد اے۔ چو ہڑی جو کوڑا چکدی اے۔ علم پڑھن والیاں تے پیسے والیاں دے گھراں نوں صاف کردی اے۔ شاعر اوس ماڑے، بے علم پینے انسان دے مونہوں ایسیاں علم والیاں گلاں اکھوایاں نیں جو سوچن دے راہ پاؤندیاں نیں۔ شریعت، طریقت تے معرفت توں حقیقت تک اپڑن والے سلوک دے اس اوکھے پینڈے نوں چو ہڑی اپنے کم راہیں سمجھدی اے۔

شریعتوں اگے لنگھ طریقت حقیقتوں معرفت جاواں

چوہیں مکانی جھاڑو پھیراں تاں چو ہڑی نام سداواں ( 11 )

ایہہ جیون سدا رہن والا نہیں۔ سواس دا کیہ مان کرنا۔ سچے سائیں دے حضور حاضری ویلے نما نے نوں ای مان ملنا اے۔ چو ہڑی اس سماج دی سمجھ توں پنی تے رڈی ہوئی ہستی اے پر اپنے کم تے راضی اے۔ درگا ہوں جو فرض چو ہڑی نوں سوچیا گیا اوہ ہر پل اوس فرض نوں ادا کر رہی اے۔ شاعر نے چو ہڑی دے پورے جیون نوں رمز بنا کے ورتیا اے، بندے دے جیون دی۔ دُھروں کیہ کم بندے دے ذمے لگا؟ بندہ اپنے علم دی وڈیائی تے بادشاہت دی شان وچ اوس فرض نوں بھل گیا۔ ظلم کمان لگا مظلوماں تے۔ بھل گیا جے جیون تے ممکن ہارا ہے۔ جد سچے سائیں دے دربار حاضری ہوئی تاں کیہ جواب دیوے گا۔ چو ہڑی علموں وانجی، ذاتوں ماڑی پر سچے سائیں نال یاری ہے۔ آپنا فرض نہیں بھلی۔ ساریاں دکھاں نوں جریا، اوکڑاں وچوں لنگھی پر سائیں دی رضایاں لئی آپنا کم پورا کیتا۔ مستری خدا بخش صبر کوئی گنام شاعر اے جس ”چو ہڑی“ لکھی اے بڑے سادہ لفظاں وچ چو ہڑی دے سارے کم دا نقشہ اکیلیا اے جدوں چو ہڑی کم کرن لئی نکلدی اے، تے پوش پوش دا آوازہ لاؤندی اے تاں بے لویس پاسے ہو جان تے گھر ہستناں آپنیاں شیواں سانجھ لین۔ چو ہڑی دی چکی ہوئی پلیتی توں آپنا سامان بچا لین۔ چو ہڑی لوکاں دا گند سارا چکدی اے تے لوک ای اوس نوں رڈ دے نند دے تے دُور رکھدے نیں۔

میری ذات کمینی چُو ہڑی  
 کراں تیاری اٹھ سویرے  
 پھرنا گلی کُوچے ہر دیہڑے  
 لوکی آکھن دُوری دُوری

نِکل گھروں جد باہر جاواں  
 ہرکے دوارے خیر مناواں  
 لوکی آکھن دوری دوری

سُن آواز میرا مسرانی  
 آکھے ٹھہر ذرا جھدرانی  
 لوکی آکھن

ہو لاچاری مشکل بھاری  
 دُور دُور کہہ خلقت ساری  
 لوکی آکھن دُوری دُوری

لاہ کوٹھا گند سر تے چاواں  
 اُلٹی سو سو جھڑکاں کھاواں  
 لوکی آکھن دُوری دُوری

گندی گھری پانانی دھواں  
 لکھے لیکھاں نوں پئی رواں  
 لوکی آکھن دُوری دُوری

بیہا پچیا جُوٹھا کھانا  
 تلیا چھجیا نواں پُرانا  
 میلا کپڑا ادھورا  
 ایہہ میری مزدوری

لوکی آکھن دُوری دُوری  
 سر ٹوکری ہتھ جھاڈو میرے  
 میرا کم ضروری

ٹردی پھردی پوش بولاواں  
 ایہہ میرا دستوری

بھانڈے ٹینڈے سانجھ سوانی  
 عذر کی ہاں مجبوری  
 دُوری دُوری

جس در جاواں اوگنہاری  
 میں وچ کی قصوری

متھے وٹ نہ مکھ بھواواں  
 ڈھونیاں شوک اروڑی

چکڑ ہونجاں گُوڑا ڈھواں  
 کیویں ہوئے منظوری

لوکی آکھن دُوری دُوری

ٹکڑا سجرا بیہا کھاواں پاٹی دھو دھواندی پاواں  
 نت سائیں دا شکر مناواں نیا امر ضروری  
 لوکی آکھن دُوری دُوری (12)

اتھے تیک ”چوہڑی“ وچ شاعر نے چوہڑی داکم تے اوس کم پاروں چوہڑی اُتے بیتن والیاں دکھاں تے پیڑاں نوں بیان کیتا۔ ہُن اگے اوہ آپ چوہڑی بن جاندا تے دنیا دیاں تکلیفاں توں آزاد ہو کے رب دے فضل اگے سر نوادیندا اے تے دُعا کر داجے جگ وچوں بُرائیاں ہونج لئی میں ساریاں بُرائیاں آپنے ناویں لالیاں نیں۔ سارا گجھ مٹا کے آپنی ہستی دی اصل ہونج لئی اے تے وحدت پائی اے۔ لوکاں دے دلاں نوں صاف کرن دا آہر کیتا تے آپ بُرائی کھٹی اے۔ پھیر آپنے آپ نوں نیواں کرے۔ رب دے اگے بخشش لئی پیش کیتا تے قدرت نال اک ہون دا احساس ہو یا تے اس نے سکھ دتا۔ سادہ تے آسان شاعری نے ”مستری خدا بخش صبر“ دی اس تخلیق نوں اوہ طاقت تے خوبصورتی دتی اے کہ ایہنوں پڑھیا تے سلاہیا جاوے لفظ سادے نیں پر شاعری توں وانجے نہیں۔ چوہڑی نال نامے دیاں خصوصیات بڑی باریک شاعرانہ نظر نال ایہدے اندر سمو دتیاں گئیاں نیں۔

آخر سوچ آئی من میرے عملاں باجھ نہ ہون نیڑے  
 چھڈ دنیا دے جھگڑے جھیرے پھڑیے پیر حضوری  
 لوکی آکھن دُوری دُوری

آس منوں ہر اک دی لاہ کے عیاندی سرٹوکری چا کے  
 پینچی یثرب نگری جا کے چھڈ سبھ دنیا کُوڑی  
 لوکی آکھن دُوری دُوری

دُکھیاری دُکھ درداں ماری پیش نبیٰ ونج کیتی زاری  
 آئیاں تیرے در او گنہاری میں گوا کے موڑی

لوکی آکھن دُوری دُوری  
 توں سُنیاں محبوب الہی بخشش کارن در تے آئی  
 ہاں میں بھی آدم دی جائی جدھی خلافت پُوری  
 لوکی آکھن دُوری دُوری  
 کیڈا اوسنے فضل کمایا سخن و اقرب گھنڈ اٹھایا  
 میں کر درن سیس جھکایا عرض غرض ہوئی پوری  
 لوکی آکھن دُوری دُوری  
 ہونجیا جگ لئی ہونج بُرائی چھڈ جد رمز حقیقی پائی  
 اندروں باہروں ہوئی صفائی پڑھیا کلمہ نوری  
 لوکی آکھن دُوری دُوری  
 آپنی ہستی ہونجی ساری اسدے نام دی پکڑ بہاری  
 خودی تکبر میں سٹ ہاری بغض حسد مغزوری  
 لوکی آکھن دُوری دُوری  
 میں وحدت دا ساتی پایا جس نے جام توحید پلایا  
 پیندیاں سار نشہ انگ آیا وحدت صبر صُوری

لوکی آکھن دُوری دُوری (13)

چو ہڑیڑی نامے وچ آئے کسب چکھے اک لمی تاریخ اے۔ ایس کم نوں کروان والے کم کرن والیاں نوں پینا جان دے نیں۔ ایس کم دی نینہہ میل بندی نال ای پئی میل بندی پاروں ای شہر بنے جتھے امیر لوکاں رہنا۔ مغلاں دے دور وچ وڈے وڈے شہر آباد ہوئے شہراں وچ امراء وال دیاں حویلیاں ہونیاں تے نال ای اوہناں دے کم کرن والے کمیاں دے گھروں ہونے۔ اکبر دے دور وچ لاہور سبھ توں وڈا شہر سی۔ 5 لکھ آبادی دا کوئی فلش سسٹم موجود نہیں سی۔ سبھ توں اوکھاتے ضروری کم چو ہڑیاں داسی۔ شہر اکرن وی نہیں کڈھ سکدے سن اس کم توں بغیر۔ کوٹھے لاہون دا کم عورتاں

کردیاں سن کیوں جو پردہ سی تے مرد گھراں وچ نہیں سن جاسکدے، سو عورتاں بادشاہ دے محل توں لے کے نکلے پیشہ ور گھراں تک ایہہ کم کردیاں سن۔ سارا گنداک تھاں اکٹھا کردیاں تے پھیرا وہناں دے مرد ایس نوں شہروں باہر سٹ کے آؤندے۔ چو ہڑیاں دے آ پنے گھر وستیوں باہر ہوندے۔ جے دس گھراں لئی وی اک چو ہڑی ہووے تاں پنج لکھ آبادی دے شہر لئی کنیاں ہون گئیاں، فلش سسٹم تے بہت چکھو آ یا اے۔ سن 47ء توں پہلاں پنجاب دے چند گھراں وچ ای فلش سسٹم ہووے گا۔

چو ہڑیاں داکم ایناں وڈا تے ضروری سی پر سبھ توں بہتا ڈھتکار یا ہو یا ردیا ہو یا سی۔ اوہناں دی صحت، تعلیم، رہن سہن دا کوئی فکر نہیں سی کسے نوں کیوں جو اوہناں نوں مخلوق وچ گنیا ای نہیں سی جاندا۔ چو ہڑے ایسی ذات نیں جو ہر مذہب وچ رڈے ہوئے نیں۔ سماج نوں سمجھن والے شاعر ایں واسطے چو ہڑیاں تے چو ہڑیاں داکم اک علامت بن گیا۔ چو ہڑی زندگی نوں صاف کرن تے صاف رکھن دی علامت بن گئی۔ چو ہڑی شاعری وچ اوہ ہستی اے جیہڑی انسان دے ذہن تے روح نوں برائیاں توں پاک کردی اے۔ ایس عمل دے دوران اوہنوں آ پنے آپ نوں سبھ توں نما نیا نیواں بنا کے رکھنا پیندا۔ آ پنے سکھ آرام تے آسائش دیاں خواہشاں نوں سماج دیاں دیتیاں ہو یاں برائیاں توں پاک کرن لئی پہلے آپ اوہناں برائیاں توں پاک ہونا پیندا اے۔ چو ہڑی ناسے دیاں چو ہڑیاں اوہ پاک نفس والے جی نیں جیہناں نے آ پنے آپ نوں سودھ سُدھار کے ایس قابل بنایا اے، کہ اوہ دوجیاں دیاں کمزوریاں تے خرابیاں نوں سودھ سُدھار سکسن۔ چو ہڑی ناسے وچ چو ہڑی دی مشکل زندگی دا نقشہ وی پیش کیتا گیا اے۔ دوجیاں دی نفرت تے ڈھتکار سہہ کے اوہناں نوں صاف ستھرا تے پاک رکھنا بہت مشکل کم اے۔ اس کم نوں کرن والے جی آ پنے اندر اک خاص سچائی تے طاقت پیدا کردے نیں۔ جھوٹے پیسے تے گزارا کردے نیں۔ اوہناں دا پورا رہن سہن دُکھاں تے تکلیفاں نال بھریا ہوندا اے۔ دوجیاں دی زندگی نوں آسان بناون دی لگن پاروں اوہ آ پنےاں تکلیفاں تے دُکھاں نوں بھلا دیندے نیں۔ چو ہڑی دے کم ونگرا اوہناں دے کم کرن دا سامان وی چو ہڑی ناسیاں وچ علامتی رُوپ وچ ظاہر ہو یا اے۔ جھاڑو، چھجلی، ترنگل، ٹوکری علامتاں نیں اوہناں خوبیاں تے عملاں دیاں جیہناں راہیں دلاں، داماناں تے روحاں دی صفائی داکم پورا ہوندا



اے۔ جیویں شاہ حسین نے لکھیا اے:

دھیان دی چھجلی گیان دا جھاڑو، کام کرو دھرت جھاڑ دی  
شاعراں نے چو ہڑی دے کم تے اوہدے کم وچ ورتے جان والے اوزاراں نوں علامت  
بنایا اے، تے ایویں کوئی نقشہ نہیں اُلکیا چو ہڑی دے جیون دا، سگوں اوہدے درد نوں محسوس کر کے اپنے  
آپ نوں اک چو ہڑی سمجھیا تے اوس دُکھ تے تکلیف نوں اپنے اندر جبر کے پھیر شاعری وچ بیان کیتا۔  
آپنی شاعری نوں چو ہڑی دے کم نال جوڑیا۔ جیویں چو ہڑی باہر دی صفائی کردی اے اُنج ای شاعری  
لوکائی دے اندر دی صفائی کردی اے، تے گند نوں صاف کرن لکیاں جیویں چو ہڑی دُکھ جردی اے  
شاعری دُکھ وچوں لنگھدا اے۔

### iii- بافندہ نامہ

فرد فقیر ہوراں دا لکھیا ”بافندہ نامہ“ ویکھنے آں۔ اس وچ فرد فقیر ہوراں جو لاپے دے  
کسب نوں رمز بنایا اے۔ ”بافندہ نامہ“ وچ فرد فقیر ہوراں اپنے لکھے ہوئے ہور کسب نامیاں بارے  
وی دسیا اے۔ جو اوہناں اپنے شاگرداں دے آکھن تے لکھے۔ فارسی وچ اوہناں کسب نامہ کاسبیاں  
نثر وچ لکھیا پڑھیا تے آپ نظم وچ لکھیا۔

کسب نامے دیاں تصنیفاں نوں کدی کدائیں کہندے	شاگرداں تھیں مجلس اندر دو دسوندھی بہندے
فقراواندی خدمت کردا نیک خدا دا آدم	اک مُلاں دسوندھی نوری علما وندا خادم
کتنی مدت خدمت اندر کیتی اوس ندیکی	اک دسوندھی حجام اساڈا خدمتگار قدیمی
جیہڑا پیر مُربی منے اکو دونویں کافی	دونویں طالب علم ہمیشہ اک بانی اک صافی
اک دھتورہ پھل کر بہن پالے بوٹا مالی	بہتے خادم کم نہ آون ہوندے سٹے خالی
پنج دھاڑے بیکاری وچ بہکے مغز کھپایا	کاسبیاں دا کسب نامہ میں اس دے کہے بنایا
چار دھاڑے درد سرے دا گوشے بہکے سہیا	فیر حجاماں دا کسب نامہ میں دوجے خاطر کہیا
مت کوئی کچھے فاتح آکھے اچھی جہ بنائے (14)	شاگرداں دی خاطر دونویں قصے اساں اٹھائے

فرد فقیر ہوراں جو لاپے دے کسب دی وڈیائی لئی ایس کم نوں قدرت دے کم نال جوڑیا

اے۔ قدرت داکائنات نوں بناون شاعرانج ویکھدا اے، جیویں جولاہے دی کھڈی تے ونون کپڑا  
 اُنیا جارہیا اے۔ کپڑے دیاں قسماں نوں قدرت دیاں بنائیاں شیواں لئی رمز بنایا اے۔ جیویں چوکی  
 توں مُراد چار عناصر گ، ہوا، پانی، مٹی، پینسی، بندے دے پنج خواص، چھسی، چھ طرفاں، ست جہاتی،  
 ست ستاریاں دی گردش، اٹھسی، اٹھ پہر نہیں جیہناں وچ 64 گھڑیاں نیں۔ نوسی نوستارے نیں۔  
 باراں بُرجاں توں مُراد ویلا اے تے، ویلے دے رنگ نیں جولاہے دے بنائے کپڑیاں وچ۔ قدرت  
 دے بنائے اک رُوپ دا جولاہیا پورا ناپ تیار کردا اے تے انج آپنا حصہ قدرت دے کم وچ پاؤندا اے:  
 روز ازل دے کاریگر نے جیہڑی نلی دکائی      بھوں بھوں نالی دے وچ وڑدی باہر قدم نہ پائی  
 اوّل چوکی اربعہ عناصر آدم دے گل پائی      فیرواساں خمسہ پینسی کہی حرص لگائی  
 ست جہاتی دی کیا چھسی خالق چھک تنائی      ست ستاریاں دی لے ستسی گردش فلک بھنوائی  
 اٹھ پہر دی اٹھسی اندر چونسٹھ گھڑیاں آون      نوستارے نوسی وُن دے لہندے چڑھدے جاون  
 دہ دنیا تے ستر آخر ونے ہزاری کوئی      باراں بُرجاں دی ہے بھل مل فردا پنے سوئی  
 تیرانا نو پڑھاں دن راتیں تھدھ بن ہور نہ کوئی      بدیاں دے ول پانہ سانوں دسیں راہ نکوئی  
 جیہا قد بنایا صانع تہا جامہ سیتا      فردا اینوں باجھ فرد دے جوڑا جوڑا کیتا  
 ایہہ پیرا ہن پورا ہويا آدم دی کل بنیا      نال ارادے گزرے صاحب ساڈے ترے تھہ منیا (15)  
 جولاہے داکم کوئی ماڑا تے پینا نہیں تے نہ ای ایہہ کوئی معمولی کم اے۔ ایہہ خاص کم اے جس  
 نوں نبیاں، ولیاں تے عالماں نے اپنایا۔ شاہ حسین تے کبیر ورگے سُر ت جگان والے ایہو کم کردے  
 رہے۔ عام بندے داکم ای نہیں ہے جو ایہہ کسب کمائے۔ کسباں دی ڈھیر گنتی ہے۔ قدرت دا بنایا ہر  
 کسب ای اچرج ہے۔ کسب، سُر ت، سمجھ، گیان ہے۔ رزق تاں جو لکھیا ہے دھروں ملنا ای ہے۔  
 چار ہزار چوتالی کسب یاں اک ہزار چالیہہ ہنر گنوائے نیں فرد فقیر نے۔ پرسارے کسباں وچوں وڈیائی  
 زراعت تے جولاہے دے کسب نوں لکھی اے۔

کسباں دا کجھ اوڈک ناہیں چار ہزار چوتالی  
 بعضے آکھن ہنر کتنے اک ہزار تے چالی

برسر کساندے کسب چنگیرا پھرن زراعت وُنا

اوہ روزی ایہہ پردہ اُس دا ایہہ مسئلہ بہہ سُننا ( 16 )

جولاہے دا کھڈی لاون تے چلاون، کپڑا اُن، کپڑے دیاں قسماں، تانا، پیٹا، ٹلی، کانے،  
سوتر دیاں قسماں ہر شے نوں فر دقیر نے رمز بنایا اے قدرت دے کم دی۔ ہُن ایسے رمز نوں شاعر نے  
آپنی شاعری لئی ورتیا اے۔ شاعری دا فکر، خیال، وزن، بحر ساریاں نوں جولاہے دیاں کماں تے کم  
وچ ورتے جان والے رچھاں راہیں بیانیا اے۔

جا ایہہ شعر وُن میں بیٹھا کھڈی جا بنائی  
گنڈھ گنڈھ دھاگے عقل فکر دے خاصہ شعر بنایا  
اگ شوق دی آب شرم دی آملّا خوب پہایا  
سوتر اٹھسی، ستسی دے وچہ چوئی نہ وگائی

دوویں پیر فکر وچ پھاتھے دل نے اونڈھی پائی  
لائی پان برابر اُس نوں تیل نہ بہتا پایا  
نال محبت ہانڈی چاٹری تاں ایہہ عشق پکایا  
بہت کاریگر ویکھن آئے جاں میں تانی لائی

کنگھی نویں وہم دی بدھی دھاگے اوہ اٹکاوے  
دی ہوئی گل نہ جانن جیہناں پیالے پیتے  
جڑی تند دھرا ہوں ٹٹی سوہن جڑے نہ مولے  
نہیں تے اگے دندے آہے پرکالے پرکالے  
پر آخر کلا ہمت والا دل تے ٹھوک لگایا  
جیوندیاں دی زینت خوبی مویاندا ہے پردا

آن جو ترے ڈھلے ہوئے وُنا بھول نہ جائے  
اُجھ پئے دل اندر دھاگے سدھے کسے نہ کیستے  
گنڈھنیاں سبھ کر کر تھکے پین چنکے سولے  
پالے ہتھوں ٹلی نہ وگے رہندے نالے نالے  
یار جتھیرے ننگے ڈٹھے تا ہُن وُنا آیا  
دنیا تخت لباس چنگیرا بھرم ایسے وچ پردا (17)

شاعر آپنی شاعری راہیں لوکائی دی سُر ت جگا کے سوچ دے راہیں پاؤندا اے۔ بالکل اُنج  
ای جیویں جولاہا کپڑا بنا کے ننگ کجا ہے۔ شاعر دے نیڑے کسب شرع اے۔ جس وچ جیون لنگھدا  
اے تے اس کم دا مل تاں ای پیندا اے جے طریقت دارا ہوتا ہووے تے اکھ حقیقت تے ٹکی رہوے۔  
معرفت دا پانی دل نوں دھووے تے رب تے توکل رکھے۔ جس دا ایہہ سوتر اے اوس لئی دل اندر شک  
نہ لیاوے۔ ایہو اولیاواں دا طریق اے۔ چنگا سوتر وی ایہو ای اے مندا نہ بولے نہ سُنے تے نیویں پا

کے سبھ نال پیار وچ رہیے۔ جولا ہے دا اک اک عمل تے اک اک رچھ علامت بن گئی اے زندگی دے مختلف عملاں دی، قدرت دے کماں دی، شاعری دی۔ جولا ہے دی ایہہ کھڈی مسلسل چل رہی اے تے نت نواں اُن رہی اے۔

اک سورہور ستا ہٹھ گز دی تانی منکے لایئے  
ٹھوک ٹھوک کے دُنے چنگیری ناں کوئی چور ایئے  
بافندگی دے عدد جتنے اتنے فرد بنائے  
گنچھ مردی تا وچ رکھی گن گن دھاگے پائے  
جیکو دھاگا تڑٹا دیکھو دیکے گنڈھ سنوارو  
دیہو دعا مصنف نوں ایمان سلامت یارو  
یاراں سے تریٹھ برسوں سنہ نبی دا آیا  
ایہہ رسالہ کامل ہو یا حکم دُھراہوں آیا  
(18)

#### iv- جلاہی

اُستاد کرم دی لکھی ”جلاہی“ کبت وچ ہے۔ جلاہی نال گل کر کے اوہنوں کم دا دھیان دواندے نیں۔ سُستی چھڈ تے ترکھی ہو کے جھٹ پٹ کم مکالے۔ تانی دے جٹ نے پٹ پورا لینا اے۔ کانے ناپ کے گڈ تے دھاگہ گن کے ورت کدھرے بھل نہ جائیں۔ مُڑ نیکی دی پان لا ایس نوں۔ نام دی نلی چلا تے پڑیاں پا کے رتا پٹ لا کے سوہنا سجا پھبا کے تیار کر کپڑا آ پنا۔ آ پنی کیتی نوں نمائتا نال سائیں اگے پیش کریں تے رب دے فضل تے مہر نال پار لگ جائیں گی۔ شاعر نے کانے، دھاگے، پٹ، پان لانا، نام دی نلی، بھر مرزاں ورتیاں نیں۔ اصل دا جو مالک اے، اوس نے لیکھا لینا اے۔ اوہنوں حساب دین لئی تیاری رکھنی ضروری اے۔ کون جانے کس ویلے اوہ آ پنا حساب منگ لویے۔ جلاہی نوں ”نی“ کہہ کے بار بار بُلا یا اے۔ اپنیت دارنگ جھلکدا اے ایس بُلا رے وچوں۔ کل تے نہ کم نوں سٹ، اج ای مکالے۔ کدھرے اج دانہ کیتا کل جھورا نہ بن جاوے:

سُن دنیا دی گل کوئی گھڑی کوئی پل لے لے کانے مٹھے چل

نی جلاہی نی

چل اج، چھڈ کل ذرا پیہڑے اُتوں ہل کاہنوں ہتھ مل پچھتائیے نی

نی جلاہی نی

جیویں چھڈان بن اٹھ تاناں چل تن اینویں کملی نہ بن سہرا یئے نی  
 نی جلا یئے نی  
 فیر کہیا نن وتن جدوں بھج گیا کن فیر سوت ہندائے سن، ہتھ پائیے نی  
 نی جلا یئے نی  
 نالے تک گل سن کانے گڈ من من دھاگے سٹ رگن رگن، بھل جائیے نی  
 نی جلا یئے نی  
 کانے پٹ پٹن پٹن تانی چک چل ہن لائیے پان پٹن پٹن تے مکائیے نی (19)

## ۷- گجری

اُستاد کرم امرتسری ہوراں دی لکھی ”گجری“ وچ، گجراں دے کم اوہناں دے جیون دیاں  
 اوکڑاں تے اوہناں دیاں سوچاں لہجہ یاں نیں۔ محنت باجھ پوری نہیں پیندی تے من ہور ہور راہ سوچدا  
 اے۔ پراہیہ کم کیوں جے عام کاروبار وانگ نہیں ایس لئی نال ای گناہ دی چنتاوی ہوون لگدی اے،  
 تے مُردھیان سبھ دے پالٹھارول جاندا اے، تے اوس اگے بنیتی اے۔ آپنے آپ نوں وی سمجھاون  
 اے۔ انسان اعلیٰ ترین مخلوق اے رب دی، تے بھٹے کم بندے نوں بندیا ئی دے درجیوں تھلے سٹ  
 دیندے نیں۔ دنیا وچ رہندیاں اوکڑاں جر کے چنگے ماڑے دی نکھیر کرنا تے کراہے نہ پینا ای بندے  
 دامقام اے۔ شاعر نے گجراں دے کم دی ساری کہانی ”گجری“ کولوں سنوائی اے۔ گجریاں پشو چار  
 دیاں، سانھدیاں، ڈڈھ چوندیاں، وچھدیاں گوباتھپدیاں تے نال گھرداری وی کردیاں نیں۔ شاعر  
 نے دو صفحیاں وچ ”گجری“ دا پورا جیون الیک دتا اے۔

جدوں سُوئے گی،	تدوں چوداں گی،	پھیر وچن جاواں گی	بچ گیا	جماواں گی
رڑکاں گی،	مکھن کڈھاں گی،	پیواں پیواں گی	حاتم ہو	جاواں گی
تن دیندی تے	بچ کھاندی اے،	دوکتھوں لیاواں گی	بچی قرض	اٹھاواں گی
جی چا ہوندا	پانی پا وچھاں،	گھاٹا نہ کھاواں گی	پورا پٹ	جاواں گی

کوئی لاٹو پا کے دیکھے گا، کیتنا شرمادوں گی  
 جی کنب دا اے جدوں جاواں گی، کیہ منہ دکھاواں گی  
 گھٹ پانی پا کے میں کاہنوں پئی کا نگ بناواں گی  
 اوہ سحر گناہ بن جائے گا، پئی غوطے کھاواں گی  
 پاوچھی نوں چھڈ دینی آں، تن توں بھی گھٹ جاندا  
 باقی ڈھائی رہ جاندا اے، کیہ ایس کھواواں گی  
 جیوندی مر جاواں گی  
 کس طرحاں چھپاواں گی  
 ایمان گواواں گی  
 وچے رڑھ جاواں گی  
 مُنڈا دھاراں لیدرا  
 اتے میں کیہ کھاواں گی (20)

## vi- چھیاری

”چھیاری“ مونث اے ”چھیاری“ دی۔ چھار چڑے داکم کردا اے۔ کسب اُتے ہوئی ذات دی ونڈتے کسب پاروں سماج وچ ملن والے مقام نوں اساڈے شاعر نند دے آئے نیں۔ محنت کر کے اناج اگاؤن والا، کپڑا بناؤن والا، چھڑا سی کے پیر لئی جتی بناؤن والا، پنا تے نمانا کیویں ہو گیا اے۔ کلاسیکی شاعراں نے ایہناں ساریاں کسباں دی وڈیائی کیتی اے۔ تے شاعری وچ خاص مقام دتا اے، ایہہ کسب کماؤن والیاں نوں وی۔ اُستاد کرم امرتسری ہوراں ”چھیاری“ لکھی اے۔ چھار دی جو تھاں اے سماج وچ اوہوای درجہ اوہدی سوانی داوی ہے۔ محنت کر کے لوکاں دے پیریں جُتیاں بنا بنا کے تے گنڈھ گنڈھ کے پوان والے ایہہ لوک آپ ننگے پیریں جیوں لنگھاؤندے نیں۔ جیہناں دے سکھ لئی جُتیاں بنا کے دیتیاں اوہناں دے ای ٹھڈے ایہناں کسبیاں لئی ہوندے نیں۔ ایہی محنت مگروں وی پوری نہیں پیندی تاں چھیاری آپنا چھج تے بہاری لے کے دنیا دے بازاریں آکھلوندی اے تے کم منگ دی اے۔ اک وپاری نال چھیاری دا ایہہ مکالمہ ہے۔ جو کم کروان والے تے کم کرن والے وچکار ہوندا ہے۔ وپاری اوس محنت دا مل نہیں پاؤندا جو چھیاری کردی اے۔ اوہ تے ایس بازارے اصل دی کھوج وچ آئی سی۔ وپاری نال ٹا کرے مگروں اوہ حقیقت جان لیدری اے۔ جس ججن دی بھال وچ باہر پھر دی اے پئی اوہ تاں اندر بیٹھا اے باہر تاں بس کوڑا کی کوڑا ہے۔

میں ذاتے دی چھیاری ہاں، توبہ عیاں تھیں عاری ہاں  
 بدکاری ہاں، بُریاری ہاں، سچ سچ میں او گنہاری ہاں

ہاں دس توں فیرکیہ چاہونی ایں، کیوں چھج لے لے کے آؤنی ایں  
 ناں کرنی ایں نا پاؤنی ایں، پئی ضائع وقت وهاؤنی ایں  
 پچھتاویں گی، پچھتاؤنی ایں، توں آکھیں گی میں ماری ہاں  
 کوئی دس پتہ دلبردا وے، بُو ہا دس دے اوس دے گھر دا وے  
 عاشق طالب نہیں زردا وے، اوہ پر سُنیا بے پردا وے  
 بانی ہے اوہ ہر ہر دا وے، تے میں اوہدے توں واری ہاں

انی سُن رتے ٹیارے نی، جگ سارے توں نہ ہارے نی  
 بُو ہے بند کر کے سارے نی، جے جی وچ جھاتی مارے نی  
 تیرے گھر وچ یار پیارے نی، میں مُرشد تیتھوں واری ہاں  
 آپنی ہستی نوں چھٹیا میں، چھٹ چھٹ کے دلبر کھٹیا میں  
 گیہوں کڈھیا گُوڑا سٹیا میں، نفس سرکش نوں بھٹیا میں  
 اُلقت نال پورا پٹیا میں، میں کرم بڑی بکاری ہاں (21)

کسب نامیاں دی ایس پڑھت توں سہی ہوندا اے جو ایس صنف دی پچھان موضوع اے۔  
 کسے وی کسب بارے دس پاؤن والی شاعری کسب نامہ اکھواندی اے۔ بئتر کچھوں اوہ کبت، مثنوی، بند  
 آد جووی ہووے۔ شاعر کسب دی اچھ تے کسب کاراں دی وڈیائی کر کے ایہناں دی ہونددی دس پاؤندا  
 اے جو ایہہ لوک چپے اپنے کم آہرے لگے جیون ٹورے وچ اپنا حصہ پائی آؤندے نیں۔ قدرت  
 ولوں متھے اپنے ایس فرض نوں ایہہ نمائے عاجز جیہناں نوں کمی، پینا تے نچ جات گنیا جاندا ہے اوہ کتنے  
 سچے جی نیں ایس کائنات اندر۔ سیال، ہنالے اپنے کم وچ بٹے رہندے نیں، کوئی اندروں لگن لگی  
 ہونددی اے۔ اپنے کسب راہیں جیون بھیداں دے جانوں تھی، اچ جھک دے پاڑیوں دکھ ہو، قدرت  
 دے دتے گناں نوں مخلوق دے سکھالی لئی ورتیندے راضی نیں اپنے آپ وچ۔ جانوں نیں ایس گل  
 دے وی جو ایہہ ویاہرا ایہناں دے کیہتے دا مل پای نہیں سکدا، ایہہ آپ سکھنا اے تے ایس سچے کم دا  
 منظوری بس قدرت کول ہے

## حوالے

- 1- ساہت کوش، رتن سنگھ جگلی، ڈاکٹر، پٹیالہ: پبلیکیشن بیورو پنجابی یونیورسٹی، 1989ء، ص 375
- 2- احمد یار دے کسب نامے، اسلامی ہدایت دے سوئے، شہباز ملک، کھوج، چھپماہی، لاہور: جولائی-دسمبر 1980ء، جلد 3، شمارا 1، ص 79, 80
- 3- کافیاں شاہ حسین، لاہور: مجلس شاہ حسین، مارچ 1966ء، ص 67
- 4- سیف الملوک، میاں محمد بخش؛ شریف صابر، لاہور: سید اجمال حسین میو ریل سوسائٹی، 2002ء، ص 488
- 5- وارث شناسی، سبط الحسن ضیغم، سید، لاہور: لہراں ادبی بورڈ، 2004ء، ص 47-52
- 5- ادہی، ص 54
- 6- وارث شاہ (زندگی اور زمانہ)، شریف کنجاہی، سجاد حیدر، آصف خاں، محمد، اسلام آباد: لوک ورثہ، الحمد پبلی کیشنز، ص 139, 140
- 7- چوڑی، میاں وارث، لاہور: غلام رسول منشی عالم، 1913ء/1331ھ، ص 3
- 8- ادہی، ص 4
- 9- ادہی، ص 5
- 10- ادہی، ص 7, 8
- 11- ادہی، ص 5
- 12- چوڑی، مستری خدا بخش، لاہور: بھائی دیا سنگھ پبلشر و تاجر کتب، سن، ن، م، ص 2-4
- 13- ادہی، ص 4-6



- 14 دریائے معرفت، خواجہ فرد فقیر، لاہور: اللہ والے کی قومی دکان، سن، ن، م، ص 6
- 15 اوہی، ص 5
- 16 اوہی، ص 7
- 17 اوہی، ص 7, 8
- 18 اوہی، ص 13
- 19 کرم پھلواری، کرم امرتسری، نوشہرہ: میجر عبدالکریم خان ریٹائرڈ، سن، ن، م، ص 119
- 20 اوہی، ص 121
- 21 اوہی، ص 115



## اشفاق احمدی پنجابی افسانہ نگاری

اقبال حسین / ڈاکٹر عصمت اللہ زابد ☆

### Abstract:

Ishfaq Ahmad (1925-2007) was a versatile genius one. He was a famous fiction-writer. His reader cannot help praising this genius and his art. Ishfaq Ahmad wrote some punjabi short stories also which reveal our society. Like an analyst, he minutely unveiled the family strains, economic pressure and its implications. His short stories, written in the background of the Partition (1947), spotlight the problems which the people on both sides had to face. In this article writers have tried to analysis and evaluate his punjabi short stories, which are never touch by the scholars even yet.

اشفاق احمد (1925-2007) اُچ پدھر دے اردو تے پنجابی نثر نگار سن۔ اوہ کہانی سناؤن تے کہانی اُلکین داگر جاندے سن، کیوں جے اوہناں پہلاں اپنے آپ نوں اک افسانہ نگار دے طور تے منوایا تے فیر کسے دو جے پاسے تے۔ ایس لئی تکنیک بارے اوہناں دے افسانیاں اتے انگل دھرنی سوکھالا کم نہیں، کیوں جے اوہ اک وڈے کہانی کار دے طور تے سہانے جاندے نیں۔ ادبی حوالیوں بغور جائزہ لیا تے:

”نثری صفاں وچوں اج دے جدید عہد دے تقاضیاں دے مطابق افسانہ تے

☆ لیکچرار، گورنمنٹ وارث شاہ ڈگری کالج، چندیاہ شیرخان، شیخوپورہ (پی۔ ایچ۔ ڈی سکالر)

☆☆ ڈین، کلیہ علوم شرقیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور (نگران مقالہ)

انشائیہ زیادہ ساتھ دے رہے ہیں..... افسانے وچ کہانی کار بیانیہ انداز راہیں  
اپنی فکر دے گل کھلا سکد اے، جدوں کہ انشائیہ نگار ہر گل اپنے حوالے نال اگے  
ودھاندا اے۔ افسانے وچ کرداراں داسہارا لیا جاسکد اے۔ انشائیے وچ مزاح  
تے طنز دا ہتھیار ورتیا جاسکد اے۔“ (1)

ایس رائے دے چانن بیٹھ اشفاق احمد ہوراں دے افسانیاں تے جھاتی پائیے تے ایہہ  
گل نتر کے سامنے آوندی اے کہ اوہناں دے افسانے نہ صرف اپنے عہد دے فکری تقاضیاں نال  
جڑے ہوئے نیں سگوں ویلے دیاں ہوروی کئی لوڑاں نوں پوریاں کردے نیں۔

اشفاق احمد ہوراں دے پنجابی افسانیاں دی کوئی کتاب دکھری چھپی ہوئی نہیں  
مدی۔ کھلے پلے کجھ پنجابی افسانے ملدے نیں۔ ”پھلیاں“ اوہناں دی پہلی کہانی مٹھی  
جاندی اے۔ جیہڑی سب توں پہلاں گورنمنٹ کالج لاہور دے رسالہ ”راوی“ وچ چھاپے چڑھی  
تے فیروز علی نے ”راوی“ وچ چھپن والیاں پنجابی لکھتاں نوں سو دھن دا آہر کیتا تے 1914ء توں  
1964ء تک (پنجاہ سالوں) دیاں پنجابی لکھتاں نوں لکھ رکھیا۔ اوہناں ایس کتاب نوں ”راوی دیاں  
چھلاں“ دا ناں دتا تے ایس کتاب وچ شامل کرن لئی کہانی ”پھلیاں“ نوں وی منتخب کیتا۔ فیروز  
سجاد حیدر ہوراں 1986ء وچ نوں پنجابی کہانی دا اک انتخاب ”چونویں کہانی“ دے ناں نال چھاپیا  
تے ایس وچ وی ”پھلیاں“ نوں شامل کیتا۔

اشفاق احمد ہوراں دے افسانے ”پھلیاں“ وچ معاشرے دے اک ایسے مسئلے ول دھیان  
دوایا گیا اے جیہڑا ساڈے وسیب وچ اے تیک سرچکدا اے، یتیم بچے اپنے بیوی موت توں بعد  
مترے پیوتے اوہدے رویے پاروں کسراں اوکڑاں دا شکار ہوندے نیں تے لوکاں ایس دکھ نوں  
کیس اکھ نال ویکھدی اے۔ ایس افسانے دے ماحول تے پلاٹ دی ہنتر مثالی جا پن دے باوجود  
حقیقت دے کجھ رنگ ایس وچ بڑے گوڑھے دکھالی دیندے نیں۔ میاں بیوی دے ازدواجی  
تعلقات وچ کار کاوٹ بن والی پچھ لگ یا مترئی اولاد نوں کوئی وی مرد پسند نہیں کردا جدوں کہ ماں ممتا  
دے جذبے ہتھوں اوس اولاد نوں اپنے توں دور کرن لئی تیار نہیں ہوندی۔ جیہدے نتیجے وچ میاں  
بیوی دا ذہنی فاصلہ ودھدا رہندا اے تے کسے اک سطح اُتے اپڑ کے خطرناک نتیجیاں دی  
صورت ظاہر ہوسکد اے۔

”پھلیاں“ اصل وچ صفراں دی ایسے طرح دی پیتا اے جیہڑی نکی جہی عمرے یتیم ہو جاندی اے تے اوہدی ماں دو جاویاہ کر لیندی اے تاں جے حیاتی دے دیہاڑے سکھ نال کٹ سکے پر اوہداں خاوند ”قریشی“ ذہنی طور تے اوہدی دھی نوں قبول نہیں کرداتے آکھدا اے کہ ایس نوں یتیم خانے چھڈ آئیے، جدوں کہ ماں اپنی معصوم دھی نوں اپنے توں دور نہیں کرنا چاہندی تے ایس دی قیمت اک دن اپنی جان دے کے پوری کردی اے۔ ایسے اختلاف پاروں تے دھی نال انت توں زیادہ محبت پاروں ای قریشی اوہدے تے تشدد کردا اے۔ اشفاق احمد ہوراں ایس بارے کوئی صاف تے متری ہوئی گل تے نہیں دسی کہ اوہ مریم اُتے تشدد کیوں کردا اے پر گھر ایہو ای لہدا اے کہ پچھ لگ اولاد دی موجودگی وچ میاں بیوی دے ازدواجی تعلقات دی ناہمواری ای ایس دی ذمے دار اے۔ دو جے لفظاں وچ ایس رویے کچھ مردی منہ زور جنسی خواہش وی قرار دتی جاسکدی اے۔

افسانے دا عنوان ”پھلیاں“ دی سوچن اُتے مجبور کردا اے تے سانوں پتہ چلدا اے کہ پنڈ دی رہتل وچ بچیاں لئی پھلیاں دی کیہ اہمیت ہوندی اے۔ اک پاسے تے نکی جہی صفراں ماں دی صحت یابی تے پھلیاں وٹڈیا کردی سی تے دو جے پاسے اوہدی ماں دے مرن تے اماں شیخانی جیہڑی مردے نوں غسل دین دا کم کردی اے۔ اوہنوں میت کول ویکھ کے پیار نال شیداں نوں آکھدی اے کہ بالڑی نوں ایہتھوں دُور لے جا،۔۔۔۔۔ بالڑی نوں ہٹی توں جھولی بھر کے پھلیاں لے دے۔

افسانے ”پھلیاں“ دا مڈھ بڑا سوہنا تے جذباتی اے۔ شروع توں ای افسانہ نگار نے اوہ فضا بڑی کامیابی نال بنا لئی اے جیہڑی اگے ٹر کے دواں کرداراں (مریم تے صفراں) دے ایسے دا سبب بن دی اے۔ ایہہ افسانہ دکھانت اے تے ایس وچ ایک یتیم بالڑی دی معصوم جان اُتے ہوون والے ظلم تے اوس دی نفسیاتی حالت داوی پتا لگدا اے۔ افسانے دا مڈھ سلاہن جوگ اے۔ اشفاق احمد ہوراں ایہہ المیہ اُسا رن لئی اوسے ای جوڑ دا ماحول بنایا اے۔

”جدوں نکی جہی صفراں نے اپنی ماں دے گل وچ باہواں پا کے پچھیا۔“ ابا کدھر رہ گیا امی؟“ تے مریم دیاں اکھاں وچ ہنجو بھر آئے۔ اوہنے کروشیا اک پاسے رکھ کے صفراں نوں کالجے نال لالیا تے پکا جیہا مونہہ بنا کے کہن گلی ”ویکھیں ناں رائیے! سارا دن گلی وچ کھیڈ دی رہنی این تاہیوں تے سارے لیڑے مٹیوٹی ہو جانداں تے مینوں روز دیہاڑے

تیرے لیڑے تے نہ دھونے پیا کرن۔ صغراں پہلاں تے اپنی ماں ول بٹ بٹ  
تکدی رہی فیراوہدی ٹھوڈی پھڑکے کہن لگی ”پراہیہ کوئی ساڈا گھر تے نہیں، ساڈا گھر  
تے کدھرے ہو رہی ہوندا سی۔ ہے نا امی۔“ مریم نے کڑی نوں اپنی بکل وچ  
ڈھک لیا تے اوہدیاں اکھاں وچ سون بھادوں دیاں جھڑیاں لگ گئیاں۔“ (2)

افسانے دی بہتر بیانیہ اے تے ایہہ اک کردار صغراں دی بیٹا اے جیہڑی پیوتے فیروماں  
مرن دادکھ اگلی جان اتے جھلدی اے تے کئی عمرے نفسیاتی سطح تے ٹٹ بھجج دا شکار ہو جاندی اے۔  
افسانے دا ماحول مڈھوں لے کے اخیر تک دکھانت اے۔ ایس فضا نوں اشفاق احمد ہوراں بڑی  
کامیابی نال اخیر تک برقرار رکھیا اے۔

افسانے وچ سکے تے مترئے پیو وچکار ایک لکیر کھچی گئی اے جیہڑی سانوں دسدی اے کہ  
سکے تے مترئے رشتیاں وچکار کیہ فرق ہوندا اے۔ کئی جیہی صغراں اک اجیہے بندے نوں اپنا پیومن  
توں انکار کر دیندی اے جیہڑا اوہدے نال پیار نہیں کردا، اوس تے پیو دا جیہڑا روپ ویکھیا سی، ایہہ  
بندہ اوس توں بالکل وکھرا سی۔

”ایہہ بھائی جیہڑا اچکل صغراں ہوراں دے گھر رہندا سی۔ اینا کتابا سی جو گل گل تے  
لوہا لاکھا ہو جاندا تے کدے کدے صغراں دی امی نوں اک دو ہورے وی جڑ  
دیندا۔ ادھی ادھی رات پئے، گال مندا بولدا، بوہے کھڑکا وندا آ وندا تے گھر وڑ دیاں  
ای بدل طرح گنن ڈھہہ پیندا۔ پہلاں پہلاں جدوں صغراں نے مریم کولوں  
پچھیا۔ ”امی ایہہ کون اے۔“ تے مریم تے اوہدے سرتے پیار نال ہتھ پھیر کے  
بڑے حوصلے نال آکھیا۔ ”ایہہ تیرا ابا اے پتر تے ہن اسیں ایہدے نال اتھے ای  
رہیا کران گے۔“ صغراں اُچی اُچی رون لگ پئی تے اپنی امی دا لیڑا اچھک کے کہن  
لگی۔ ”ایہہ کوئی نہیں میرا ابا۔ میرا ابا تے ہوراں جیہڑا مینوں گھوڑی تے بہا کے  
کھیتر لجاندا ہوندا سی۔ ایہہ تے تینوں مینوں گالھاں کڈھدا اے۔ میں کوئی  
نہیں امی ایہہ نہیں میرا ابا“ مریم نے اتھرو پونچھ کے آکھیا۔ میں تینوں کیویں  
سمجھاواں۔ رائیہ ہن ایہو امی تیرا ابا اے۔“ (3)

ایہہ افسانہ تے ہور انج دے کئی اردو افسانے اشفاق احمد ہوراں دا خاص ڈھنگ دا

لشکارا نہیں جیہناں وچ جگ ورتی ہڈ ورتی دا سواد دیندی اے۔ ایس افسانے بارے گل بات کر دیاں ہویاں سچا دحیدر لکھدے نیں:

”پھلیاں“ اشفاق احمد دیاں بہت تھوڑیاں جیہیاں کہانیاں وچوں اک Character Sketch دے انداز دی کہانی اے، جیہدے وچ اک معصوم بالڑی اپنے مترے باپ دے ہتھوں اپنی ماں اتے ظلم ہوندے ویکھدی اے، پر حیاتی دے راہواں دی جانو نہ ہون کر کے ساری گل سمجھ نہیں سکدی۔ اوہنوں تے ایہہ وی خبر نہیں کہ جے اوہدا اپنا پیو مر گیا اے تے اوہدی ماں نے دو جانصم کر لیا اے۔ اک بچے دیاں اکھاں نال زندگی دیاں ہلاکتاں دا تماشا دکھانا بڑا اوکھا کم اے، جہڑا اشفاق احمد کر دکھایا اے۔ ایہدے وچ یتیم بچی صغراں دیاں سدھراں تے اوہدیاں زندگیاں دے پھانڈے توں بچن لئی پناہواں بڑی درد مندی نال وکھ وکھ دکھائیاں گئیاں نیں۔ ایہو جیہی اک لمی کہانی جنگ عظیم دے پس منظر وچ لکھی گئی سی۔ جیہناں لوکاں اوس نکی جیہی کڑی Ann Frank دی ڈائری پڑھی اے، اوہ کدی اوس کڑی دا دکھ بھل نہیں سکدے۔“ (4)

اشفاق احمد ہوراں حیاتی دے رنگ تے ڈھنگ بڑے نیڑیوں ویکھے نیں۔ حیاتی بارے اوہناں دے وچارتے لوک سیانف اوہناں دے ڈرامیاں تے افسانیاں وچوں اگھڑ کے سامنے آوندی اے۔ اوہ کسے دے دکھ دی کجھ ایسراں تصویر کشی کردے نیں کہ قاری دیاں اکھاں چوں ہنجواں دی دھار بجھ جاندی اے۔ ایہو ای کمال سانوں ”پھلیاں“ وچ وی دکھالی دیندا اے۔ نکی جیہی بالڑی صغراں دا غم سانوں اپنا غم نظر آوند اے تے اوس دی وارتا ساڈی اپنی وارتا بن جاندی اے۔ اوہ پڑھن ہاراں نوں اپنے نال لے کے ٹردے نیں تے پڑھیار کہانی پڑھدیاں ہونیاں انج محسوس کردا اے کہ سب کجھ اوہدے نال واپر رہیا اے تے اوہ آپ ای ایس دا اک کردار اے۔ کہانی نوں جینی دیر تک اپنے ویلے دے فکری تقاضیاں نال نہ جوڑیا جائے اوہ اک کامیاب لکھت تے تخلیق نہیں اکھوا سکدی۔ ایہہ کہانی انسانی فطرت دے نیڑے وی اے تے ساڈے دور دے فکری تقاضیاں نال میل وی کھاندی اے۔

اشفاق احمد ہوراں دی دوجی کہانی ”اوس دا ویاہ“ اچ توں ترونجا ورھے پہلاں دی لکھی

ہوئی اے۔ ایہہ اوہناں دے جوانی ویلے دی یادگار اے۔ ایس کہانی دا ورتارارو مانوی اے تے عشق دے مڈھ تے پھلن پھلن دی کہانی اے۔ اک اجیہے عشق دی کہانی اے جیہڑا توڑ پگ دا اے تے افسانے دا واحد متکلم آپوں افسانہ نگار اے تے اوہ آپ ای ایس دا ہیرو وی اے۔ کہانی دی بہتر بڑی سوتنی اے۔ اک بندہ لاڑا بنیا بیٹھا اے تے ایس عشق دی کہانی دا کمال ایہہ ہے کہ ساری گل شروع وچ ای کھلن دے باوجود کہانی وچ ساڈی دلچسپی گھٹدی نہیں۔ کئی کہانی لئی سجاد حیدر ہور ایس جیہڑیاں جیہڑیاں شرطاں دسیاں نیں۔ اوہ ساریاں ایس وچ پوریاں ہونداں نظر آوندیاں نیں۔

”کئی کہانی دا جتنا کو کہانی ہونا ضروری اے، اونا ای ایہہ انکی ہونا وی واجب اے۔ ایس کر کے لکھن والے نوں ایس گل دا بڑا دھیان رکھنا چاہیدا اے پی ایہہ دے وچ کوئی فقرہ، کوئی واقعہ تے کوئی کردار فالتو نہ ہووے۔ اختصار ای کئی کہانی دی چھان اے۔ ایس صنف وچ ہر لفظ اپنی حیثیت رکھدا اے تے کوئی بے حیثیت لفظ کئی کہانی دے اندر رہی نہیں سکدا۔ ایہوں لکھن لکیاں کہانی کارنوں گھٹان تے چھاگن دے عمل توں گزر کے کہانی دے انجام تیکر اپڑندا اے۔ تفصیل صرف اتھے آوندی اے، جتھے کہانی دے اسارن وچ اوہدی لوڑ ہووے۔“ (5)

ایس افسانے وچ اشفاق احمد ہور ایس فلیش بیک دی تکنیک ورتی اے۔ افسانہ نگار آپے ای واحد متکلم دے روپ وچ دولہا بن کے برات نال سوہریاں دے گھر بیٹھا اے تے ماضی دی گھڑی کھول کے اک اک کپڑا تیا یاداں وانگر کھلاری بیٹھا اے تے گزرے ویلے نوں یاد کر کے خوش ہو رہیا اے۔ پچھلیاں یاداں وچ نجمہ نال عشق دے پنڈے وچ آون والے ٹوٹے ٹیپاں دا وی ذکر اے تے نجمہ دے کزن اعجاز دا کردار وی ابھر کے سامنے آوندا اے جیہڑا دوہناں دے سبجوگ دا باعث بن دا اے۔ افسانے دے مڈھلے حصے وچ تھوڑی جیہڑی سبج نظر آوندی اے، جدوں واحد متکلم دے مونہوں اکھوایا جاندا اے کہ:

”میں وی اک گٹھے لکھا سوچ رہیا ساں۔ پی دیکھو ایس دنیا وچ کیہ کجھ نہیں ہو سکدا۔“

اتھے انج جا پدا اے جیویں واحد متکلم دے پیارنوں کوئی ہو رو یاہ کے لے جان لکھا اے تے اوہ اک گٹھے لگا، سب کجھ دیکھ رہیا اے، ایس افسانے دا مڈھلا حصہ اپنے اندر اک تجسس تے سسپنس لے کے ابھر دا اے۔ تسیں وی ایس دارنگ دیکھو:

”ایہہ اوس دے ویاہ دی گل اے، ساری گلی وچ چھڑکا ہو یا سی تے باہر گلی دے متھے تے جھانجرتے ایسر دے بوٹے ہنھے ہوئے سن تے چھوٹے چھوٹے منڈیاں کڑیاں ون سونے لیڑے پا کے ایدھر ادھر کھیڈ دے پئے سن۔ ساری گلی تے جو گیا رنگ دا تنبو تنیا ہو یا سی تے گلی دے بوہیاں نال لوہے لکڑ دیاں کرسیاں ڈھیاں ہو یاں سن۔ اک مدرائی تے اک جوگی اپنے اپنے اپنے کرتب جنیت نوں پئے وکھاؤندے سن تے وڈیاں چھوٹیاں دے دل پئے خوش کردے سن۔ میں وی اک گٹھے لکھیا سوچ رہیاں ساں، پئی دیکھو ایس دنیا وچ کیہ کجھ نہیں ہو سکدا تے کنا کجھ نہیں ہو سکدا۔“ (6)

اشفاق احمد ہوراں دی ایس کہانی دا تجزیہ کریئے تے اک اچھا تاثر ابھر دا اے۔ جیہڑا ایہہوں پوری طرح کہانی نہیں بنن دیندا کیوں جے ایہدے وچ اک سدھی ساہنویں یاد اے جیہدے وچ کوئی ایسی گل نہیں جیس نوں افسانہ یاں کہانی مٹھیا جاوے۔ کجھ حوالیاں نال تے ایہہ اُکی پکی راہ ٹردی گل نظر آ وندی اے جیہدے وچ ادب بنن دی صلاحیت بڑی گھٹ اے۔ بڈورتی دے رنگ وچ ایسی ہون کارن ایہدے وچ دلچسپی دی اک لہر ضرور نظر آ وندی اے تے ایہدے وچ جیہڑا اسپنس تے بھارت افسانہ نگار نوں رکھنی چاہیدی سی، اوس دی شدید کمی نظر آ وندی اے۔ ایہدے وچ سب توں وڈا نقص ایہہ وے کہ قاری نوں ایہدے مڈھ توں ای اندازہ ہو جاندا اے کہ ایس وچ کیہ اے۔ ایس لئی قاری دے سوچن لئی کجھ نہیں پچیا تے جیس ادب وچ سب کجھ دس دتا جاوے تے قاری دے سوچ وچار لئی کجھ نہ بچے تے اوہ ادب وڈا ادب نہیں اکھواسکدا۔

ایہہ افسانہ اک پیار کہانی اے جیہڑی توڑ چڑھی تے ویاہ تے ایہد انت ہو یا تے پیار کہانی نال جڑیاں ہو یاں کجھ گلاں تے کجھ چستاں نے ایس وچ اک لطافت دی لہر پیدا کردتی اے۔ ایس افسانے وچ اک گل ضرور نظر آ وندی اے کہ اشفاق احمد ہوراں نوں زبان تے پورا پورا عبور حاصل اے۔ اوہ کرداراں نال تعلق رکھن والی زبان دے جانوین تے پوری مہارت نال اوس دی ورتوں دی اہلیت وی رکھدے نیں۔ ایس کہانی وچ جیہڑی شے ساڈے من نوں اپنے ول کھچدی اے، اوہ ایس دی زبان دا ورتارا اے۔ اک ہور گل جیہڑی ایس کہانی وچ موجود اے، اوہ ساڈے وسیع تے ویاہ شادیاں دے موقعیاں تے ہون والے رسم تے رواج دا عکس اے۔

پیار دی کہانی شروع ہوندی اے تے فیر کسراں اک ولن آ وندا اے۔ خانداناں وچ



کیوں اٹ کھڑا لگدا اے تے کیوں ولن اپنا روپ بدلدا اے تے دو پیار کرن والیاں وچ کندھ بن دی بجائے اوہناں دے شوگ لئی اگے ودھدا اے۔ ایہہ سب کجھ ”اوس دا ویاہ“ وچ نظر آ وندا اے۔ ایہہ گل نہیں کہ پنجاب دے وسیب وچ اعجاز ورگے کردار نہیں ہوندے۔ انج دے کردار وی ہوندے نہیں پر اعجاز دے کردار نوں جس طرح اشفاق احمد ہوراں اُسا ریا اے، او تھے شک جہیا ہوندا اے کہ ایہہ کسراں ہو گیا؟ ایہہ کنج ہو گیا؟ ہو سکدا اے اعجاز آپوں کسے نال پیار کردا ہووے تے اوہ دے پیار نے ای دو دلاں نوں میلن لئی کوشش کرن دی اشکل دتی ہووے پر اتھے اشفاق احمد دی کہانی سانوں کجھ نہیں دسدی بس اسیں ایس کھیترو وچ گوڑی ای لاسکے آں۔

اشفاق احمد ہوراں دی ایہہ کہانی اپنے نکلے کھلا تے سادہ پلاٹ تے روایتی کرداراں نال اک عام جیہی لکھت اے پر ایہدی اک تاریخی حیثیت اے، جیس زمانے وچ اوہناں ایہہ کہانی لکھی، اودوں پنجابی کہانی نے اے ٹرنا ای سکھیا سی۔ ایس لئی وی ایس افسانے دی اہمیت ودھ جاندی اے پر اک گل دا احساس ضرور ہندا اے کہ اک اجیہا افسانہ نگار جیس نے اپنے سفر دے پہلے قدموں تے ای ”گڈ ریا“ ورگا شہکار تخلیق کیتا۔ اوہ کہانی تے افسانے دی بنتر دے مڈھلے تقاضیاں نوں کسراں بھل گیا؟ ہاں ہو سکدا اے کہ ایہہ کہانی اشفاق احمد ہوراں کدھرے شروع وچ لکھی ہووے تے بعد وچ اوہناں ایس نوں پنجابی رسالے وچ چھپو ادا۔

اشفاق احمد ہوراں دے چلانا کرن توں بعد اوہناں دی سوانی، سر کڈھویں افسانہ نگار بانو قدسیہ ہوراں ”راہ رواں“ دے نال نال اک کتاب مرتب کیتی اے۔ ایہدے وچ اشفاق احمد دی حیاتی بارے وی تفصیل نال ذکر کیتا گیا اے تے اوہناں دے ان چھپیاں پھٹکل تحریراں وی ایس دا حصہ بنائیاں گئیاں نیں۔ ایس کتاب وچ دو تحریراں ”وسریاں یاداں“ تے ”بائیکل“ دو اجیہیاں پنجابی لکھتاں نیں جیہناں نوں اسیں افسانہ آکھ سکے آں۔ ایہناں تحریراں وچ ہڈورتی دا انداز اے تے ایہہ بیانیہ انداز وچ لکھیاں گئیاں نیں۔ جے کراسیں ایہناں دے انداز تے تاثر دا تجزیہ کریئے تے ایہہ گل کھل کے سامنے آ وندی اے کہ جویں ایہہ اشفاق احمد ہوراں دیاں یاداں دی لمی لڑی دے دو موتی نیں جیہڑے اپنی چمک دمک پاروں سانوں اپنے دل کچھدے نیں۔ ایہناں دونہاں تحریراں دا ماحول اکو جیہا اے کیوں جے ایہہ سا نچھے پنجاب دے کلچر تے ماحول دیاں نمائندہ نیں تے ایہناں وچ دسیا گیا اے کہ پاکستان بن توں پہلاں سکھ تے مسلمان اک دوجے نال دکھ سکھ دے بھائیوال

سن تے اک دوجے دا خیال رکھدے سن۔ ایس بھائیوالی تے سانجھ دی جھلک چڑھدے پنجاب تے لہندے پنجاب دے کہانی کاراں وچ وی کدھرے کدھرے نظر آوندی اے۔ تقسیم توں مگروں بنن والی پنجابی فلم ”کرتار سنگھ“ وچ وی اک سکھ سردار دی انکھ تے غیرت دا دسیا گیا اے جیہڑا اک مسلمان ٹیاریول ودھن والے جوان نوں گولی نال ٹھنڈیاں کر دیندا اے تے ایہہ جوان کوئی غیر نہیں، اوہدا اپنا پتر ہوندا اے، جدوں وچھڑیاں ہوئیاں نوں ملان والے سرکاری اہل کاراں دے ہتھ اوہ اپنے دوست دی دھی نوں سکھ سردار پاکستان گھلد اے تے نال اک رقعہ وی لکھدا اے جیہدے وچ لکھدا اے کہ ”تیری دھی واپس گھل رہیا واں۔ ایہدی لُج تے ایہدی چنی او سے طرح ای پاک تے پوتر اے جس طرح تسیں چھڈ گئے سی۔ ایہدی چنی تے اک داغ لان دی کوشش ہوئی سی۔ اوس نوں میں اپنے پتر دے خون نال دھودتا اے۔“

ایہہ افسانے سانجھے پنجاب دی سانجھی وسوں دیاں کہانیاں نیں جیہناں وچ سکھاں تے مسلماناں دے سانجھے میل ورتن تے اک دوجے توں مال تے جان وارن دا جذبہ نظر آوند اے۔ ایسے گل تے زیادہ زور دتا گیا اے کہ سکھ سردار مسلماناں نوں اپنے سکھیاں بھراواں طرح خیال کر دے سن۔ پہلی کہانی ”وسریاں یاداں“ وچ ایہہ دسیا گیا اے کہ پنڈوا اک بندہ چاچا حشمت تیلی جیہڑا بڑا ایمان دار اے تے ایمان داری نال اپنے نمبر نوں پال رہیا اے، جدوں اوہ محرکہ تاپ دے ٹیٹے چڑھ جاندا اے تے دوادار دے باوجود ٹھیک نہیں ہوندا تے اوس نوں گڈے تے پاکے شہر دے وڈے ہسپتال اپڑان لئی ٹرے تے اوس نے راہ وچ ای دم دے دتے۔ ہن اوس لئی تیجے دے ختم دا سر بندھ کیتا گیا اے۔ پنڈ دے مولوی نے گھر گھر جا کے سدا دتا کہ سارے لوک پرسوں مسیت وچ اپڑن تے حشمت تیلی لئی دعا کرن۔

”سارے لوک جیہناں دی گنتری پنچی ترہہ بندے سی۔ جدوں دعا منگ کے باہر نکلے تے پنڈ دے سردار جسنا سنگھ دا چھوٹا کا کا پرانی ہتھ وچ لے کے اپنے گڈے اگے بلداں نوں کھڑی کھڑی اسی۔ تھوڑا جیا کچا ہو کے تے نیویں پاکے میرے ابا جی نوں آکھن لگا۔ تایا جی! باپو نے آپ آنا سی پر اوہنوں تاپ چڑھیا اے تے اوہ جہا، ڈھلا مٹھا جیہا اے۔ میرے ہتھ اوہنے سنیہا بھہجیا اے ہی مسیتے جا کے ساریاں نوں دس دئیں۔ میں وی دعائے اپڑنا سی پر کانے ہتھوں رہ گیا ایں۔ بڑا

چارا مارا پر میرے کولوں ٹریا نہیں گیا۔ ہن بلبیر سیاں دے ہتھ بائی حشمت لئی دعا  
بھیج رہیاں، مینوں اپنے نال شامل شریک ای سمجھنا۔  
بلبیر سیاں نے گڈے توں ترپال لہا کے آکھیا۔ ”باپونے تیجی لئی آہ دعا بھیجی اے  
تے نالے سنیہا دتا اے ہی جدوں نکلڑا ہو گیا۔ چاچے حشمت دے چالیے تے پھیر  
وی دعا بھیجوان دا پر بندھ کراں گا۔

گڈے وچ دو بوریاں کنک سی، اک مانی چولاں دی، ویہہ پچی سیر شکرسی تے اک  
پیپا گھیو دا، دور جائیاں، اک تھان چھینٹ دا۔“ (7)

ایس کی جیہی کہانی ”وسریاں یاداں“ وچ اشفاق احمد ہوراں سانوں دسیا اے کہ دعا  
کرن تے دعا گھلن وچ کیہ فرق اے۔ باقی لوک مرن والے لئی دعا کر دے نیں تے پنڈ دے سردار  
اوہدے گھر والیاں لئی دعا گھل دے نیں۔ کیوں جے اوس ویلے اکلے دعا نال گل نہیں بن دی، جاگیر  
داری کلچر وچ گجھ گلاں بڑیاں سلاہن جوگ سن۔ پنڈ دی چودھرا لوکا لئی توں ڈراوے تے دھونس نال کم  
نہیں سی لیندی سگوں پیار تے دان کر کے اوہناں دے دل جتدی سی تاں ای اوس کلچر وچ بہت  
سارے طبقے اک دو بے نال پیار کر دے نظر آوندے نیں۔ پنڈاں دیاں چودھراواں اپنے ٹوہرے،  
طاقت تے ڈانگ سوئے پاروں اُچیاں نظر نہیں سی آوندیاں۔ اوہ اچیاں تے سچیاں قدریں دے  
کارن نہ صرف اُچیاں نظر آوندیاں سن سگوں ایہہ لوک اپنے وصف تے کماں پاروں وڈے نظر  
آوندے سن۔

لوکا لئی پیار تے دان کرن دا جذبہ ہولی ہولی مک مکا گیا اے تے ہن دا پنڈ تے اوہدا  
وسیب ”مڑھی دا دیوا“ ناول ورگی کہانی سناوندا پیا اے۔ پکی سڑک، بجلی تے کاراں دی دوڑنے  
بندیاں نوں اک دو بے توں دور کر دتا اے۔ ہن قدریں بدل گئیاں نیں۔ ہن منہ دا بول بولیا تے وچن  
کوئی معنی نہیں رکھدا۔ ہن تے خون دے رشتے کمزور پے گئے نیں۔ دوجی سانجھ کدوں تک نبھائی جا  
سکدی اے۔ اشفاق احمد ہوراں جیس وسوں تے وسیب دی جھلک سانوں ”وسریاں یاداں“ وچ دکھائی  
اے۔ اوہ ہن نویں عہد وچ اک خواب وانگوں دکھائی دیندا اے۔ حشمت تیلی ورگے کئی بندے  
چودھراواں دے ظلم توں تنگ آ کے شہراں وچ آوے تے پنڈاں وچ کمی دالسمنا اوکھا ہو گیا اے۔

ایہہ کہانی ایس لئی وی چنگی لگدی اے کہ ایہدے بیانیے وچ بڑی طاقت اے کیوں

جے ایس نوں جیس انسانی جذبے اتے اساریا گیا اے اوہ بڑا عظیم جذبہ اے، ایس کہانی وچ سانجھے پنجاب دی رہتل تے آپسی بھائی چارے دا اک اجیہا لشکارا نظر آندا اے جیہڑا ساڈیاں کجھدیاں ہویاں آساں نوں اک واری فیر سہارا دیندا اے تے اسیں آکھن آں کہ اے کجھ لوک جسا سنگھ ورگے ایس دنیا وچ موجود نیں۔ اے سب کجھ ختم نہیں ہويا۔

”باہیکل“ دی سانجھے پنجاب دی کہانی اے تے ایہد امرکزی کردار وی اک سکھ اے تے افسانہ نگار اوس نوں تاپا آکھدا اے۔ پہلے افسانے وانگوں ایس دا ماحول وی من کھچواں اے۔ ایہدے وچ وی دوسرے ہوئے لوک نیں۔ وسریاں ہویاں یاداں دے پرچھاویں نیں تے وچھڑن والے لوکاں دی خشبوئی اے۔ اوس وسیب تے کچھ دے رنگ نیں جیہڑا سانجھے پنجاب نال جڑیا ہويا سی۔ ایس لکھت دے ڈھلے حصے وچ افسانہ نگار ساناں اوس کچھ دی اک جھلک دکھاند اے۔ اوس ویلے دے کھانے، لوکاں وچکار پیار پریت دی سانجھ دا ذکر اے۔ افسانے دا ڈھ ایسے لئی بڑا کچھواں اے کہ ایہہ یاداں دے اوس چائن توں شروع ہوندا اے جیہڑا ساڈے اندر کدھرے گواچ گیا اے۔ جیہذاں اشفاق احمد ہوراں کہتا اے۔

”اُنج حساب کریے تے کئی سال پہلے دیاں گلاں ایں پر جے من دی پوتھی کھول کے ور تے پھولے تے کل دی گل دسدی اے۔ اوہی دھپاں، اوہی پیلی رشنائی، اوہو تائے لایہ سیان دانوہری تے اوہو ادھیدا پریت سمان بوت جیہڑا ٹی ٹی باونال شرط لا کے گڈی توں پہلے اگلا ٹیشن لنگھ جائے۔ جیہڑی گل میرے اے نے نہیں سی منی ہوندی۔ اوہ اسیں تائے نوں دس کے پوری کروالینی۔ جیہڑی شے میری ماں نے لیان توں انکاری ہو جانا۔ اوہ اسیں تائی نوں دس کے پکوالینی۔ چھنے بھر کے گھر لے آنے آپ وی کہانی تے گھر دیاں نوں وی کھوانی۔ میری ماں نے کہنا ”بی بی تو منڈیاں نوں وگاڑ دئیں گی۔ اوہ اگے ای کسے دے آکھے نہیں لگدے۔ توں ایہناں نوں ہور وگاڑ تگاڑ دینا ایں۔“ (8)

میٹرک دا امتحان پاس کرن توں مگروں جدوں افسانہ نگار اپنے پیونوں آکھدا اے کہ مینوں سائیکل لے دے تے اوہ اوس نوں ٹالنے لئی آکھدا اے کہ تیریاں بھراواں نوں وی بی اے توں بعد لے کے دتی اے تے تینوں وی بی اے توں بعد ای لے کے دیواں گاتے فیر جدوں گل نہیں بن

دی تے گھر آ کے اپنی ماں کول خوب روند اے، جیہدا پتہ تائے لاجھ سنگھ نوں لگدا اے تے اوہ اک دیہاڑے سائیکل لے آ وندا اے، بالکل نواں نکور جیہدے اُتے اے خاکی کاغذ ولیٹے ہوئے نیں۔  
تایا لاجھ سنگھ سائیکل پھڑان توں بعد پیارنال میرے دھپا مار کے آ کھدا اے۔  
”لے پھڑایہنوں، رون نہ لگ جایا کر۔ ایڈی چھیتی تے میرے بھرانوں تنگ نہ کریا  
کر۔ توں ساریاں چوں لالچی بلا ایں۔“ (9)

ایس نکی جیہی یادیاں کہانی وچ وی اشفاق احمد ہوراں سانجھے پنجاب دی تصویر کچھی  
اے تے اوسے وسپے تے کلچر نال جڑیاں ہویاں کجھ اجہیاں شیواں دا ذکر کیتا اے، جیہدے وچوں  
اوس وسیب دا لشکارا پھٹدا دکھالی دیندا اے۔ اک زمیندار تے سکھ سردار دا سائیکل دی نندی کرنا تے  
گھوڑے دی سواری نوں وڈیا نا وی سمجھ وچ آ وندا اے، کیوں جے گھوڑیاں دی سواری سرداری دی  
علامت سی تے سائیکل نویں عہد تے سماج دی علامت سی۔

”اوائے ملا، بائیسکل نوں پھائے دینا ایں۔ بابے نوں آکھ گھوڑا لے کے دے  
دے۔ سواری کریں تے سانوں وی سوہنا لگیں تے سارے جگ نوں وی بھوایں،  
سیکل وی کوئی سواری اے۔ دفع کر، مار کاٹھ، ایہدے نالوں تے بند اپیل ای  
چنگا۔“ (10)

دیکھن نوں تے ایہہ اک سائیکل دی کہانی اے پر ایس کہانی دے پچھے کئی کہانیاں  
لگیاں ہوئیاں نیں۔ اوہ کہانیاں جیہڑیاں پیار تے محبت وچ گھیاں ہوئیاں نیں۔ اتھے افسانہ نگار  
اپنے پچھو کوڑ نوں یاد کردا اے تے اوس سیر سانجھ نوں واجاں ماردا اے جیہڑا کدھرے گواچ گیا اے  
تے ہن اوہدا کوئی کھوج کھرا نہیں لبھدا پیا۔ ایس دا انت بڑا جذباتی کرن والا اے تے افسانے وچ  
قاری نوں ایس تھاں تے اپنے جذبیاں تے دوسرے ہوئے لوکاں دا خیال آ وندا اے، جیہڑے ہن  
دلاں وچ تے آباد نیں پر اکھوں اوہلے ہو گئے نیں۔ ایہہ انت سانوں دسد اے کہ کہانی سناواتے  
اوس نوں سچے ڈھنگ نال توڑ چڑھانا، اشفاق احمد ہوراں دا ای فن اے تے اوہ ایس فن نوں ورتن  
تے پورا پورا قادر نیں۔

”پھیر پتہ نہیں کیہ ہو یا۔ کس نے منتر پڑھیا تے کس نے جادو کر دتا۔ تایا ساتھوں  
تے آسین تائے توں دور ہو گئے۔ ساڈے سنھ وچ کوئی ہور آ کے پھس گیا۔ کسے

نے ساڈے اعتبار دی ڈور توڑ کے سانوں اک دو بے توں پراں کر دتا۔ جدوں  
اسیں ایدھر آئے آں، اوہ ایسا ویلا سی جدوں تائے تے تائی ہوندے ہوئے وی  
اسیں اک دو بے نوں مل نہیں سکے۔ میرے پیار دی گنڈھ میری سیکل اوہ اتھے ای  
رہ گئی۔ جیہڑی نہ میرے کول رہی نہ میرے تائے دے گھر گئی۔ کوئی ہور ای اوہنوں  
چھ مار لکیا۔ کوئی تیا ای سانوں دوواں نوں لٹ کے لے گیا۔ سانوں پتہ نہیں چلن  
داتا تے اسیں دوویں لٹے گئے۔“ (11)

ایسے لمیے نوں استاد دامن ہوراں اک نظم وچ دسیا اے، سکھاں تے مسلماناں دی  
سانجھ تے پیارنوں مکاوں والے کجھ ہور لوک سن جیہڑے دراڈے کھلوتے سب کجھ ویکھ رہے سن۔  
ایہہ اک تے خون دی کھید شروع کرن والے کوئی ہور سن تے ایس اک وچ سڑن والا پنجاب سی۔  
ایس دی ونڈ ہو گئی تے ایہدے کجھ روڈھے ٹکے گئے۔ سوانیاں دی عزت مٹی وچ رل گئی تے انھے کھوہ  
لاشاں نال بھر گئے، ہر پاسے سنج سنجان پئے گئی تے ایس ہڑھ دے لتھن توں بعد پتہ لگیا۔

جاگن والیاں رج کے لٹیا اے  
سوئے تسیں دی او سوئے اسیں وی آں  
لالی اکھیاں دی پئی دس دی اے  
روئے تسیں دی او روئے اسیں وی آں (12)

اشفاق احمد ہوراں دی اک کہانی ”کرم دین قصہ گو“، ”ادب لطیف“ لاہور دے  
اشفاق احمد نمبر وچ چھپی اے۔ ایہدے بارے ایہہ نہیں پتہ لگیا کہ ایہہ کہانی ایس توں پہلاں کتھے  
چھپی سی؟

ایس کہانی دا انداز کسے جگ ورتی کہانی والا ہے تے ایہہ بھارت دے شہر لکھنؤ دے  
اک قصبے، ”سندیلے دی بستی“ دی کہانی اے۔ ایہہ جیس ڈھنگ نال بیان ہوئی اے ایہدے  
توں جا پدا اے کہ ایہہ اک اصلی تے حقیقی واقعہ اے جیس نوں اشفاق احمد ہوراں بیان کیتا اے۔ ایہہ وی  
ہوسکدا اے کہ افسانہ نگار نے کہانی وچ حقیقت داروپ بھرن لئی ایہہ اسلوب اختیار کیتا ہووے جس  
طرح منٹواپنے افسانیاں وچ کردے نیں۔ ایس کہانی دا مڈھ بڑا سوہنا اے۔ ایہدے وچ منظر نگاری وی

اے تے سو کے نال انساناں تے جنوراں دی حالت دا بیان وی اے۔ ایہدا اک نظارہ دیکھو:

”لوؤ جی کہن والے کہندے ایس، سنن والیاں سنیا اے، ویکھن والیاں ویکھیا اے تے پڑھن والیاں پڑھیا اے۔ اخبار روز دار وچ ہی ملک بھارت دے اندر شہر لکھنؤ دے لاگے اک قصبہ اے واہ وانگڑا تے خدائی وسدی اے او تھے ڈھیر، پہلوں وی وسدی سی جدوں دا ایہہ قصہ اے تے ہن وی آباد لٹا دا اے تے ایس قصے نوں بڑا یاد کردی اے..... کرنا خدا دا کیہ ہو یا تے حکم اوہدی نر انگی دا ایہہ صورت دھار کے اتریا کہ سندیلے دی بستی نوں سو کے نے گھیر لیا، کھڑیاں فصلاں سک گیاں۔ وتر بھنے کھیت ریتڑ سو کے نال تھل مار دے بے بن گئے۔ نیانیاں پاٹ کے کھکھڑی کھکھڑی ہو گیاں۔ رُکھاں دے پتر سڑ کے سواہ تے ڈالے کالے ہو گئے۔ ندیاں سک گیاں، کھوہ تھلے اتر گئے۔ واورولے چڑھ گئے۔ پنچھی وسدے آ لھنے چھڈ کے اڈ گئے۔ بھور جنور باگھ گھیلے پیو دا دیاں دیاں گٹھاں چھڈ دتیاں۔ سانھیاں سر کڈھ لے تے سپاں لیرکاں چھک کے نویاں تھواواں مل لیاں۔ ڈنگر پوسمرن لگ گئے تے وتی اُجڑن ڈیہہ پئی۔ خدا دی خدائی ہسدے وسدے گھراں دے بوہے باریاں کھلے چھڈ کے پانی دی بھال وچ گھروں بے گھر ہو گئی۔ آسوں بے آس تے حالوں بے حال ہو گئی۔“ (13)

کہانی وچ دسیا گیا اے کہ ایس سو کے توں گھا برے تے پریشان بستی دے لوک ننگے پیریں تتی ریت اتے کھلو کے رب اگے ہاڑے پاؤندے رہے پر بارش نہ ہونی سی نہ ہوئی۔ ایس صورت حال نوں ویکھ کے پنڈ دے باہر پیشہ کرن والیاں عورتاں دے دل وچ خیال آیا کہ خورے ایہہ سارا کچھ ساڈیاں عملاں دا سٹا اے جیہیں نوں وتی تے انسان تے جنور بھگت رہے نیں۔ ایس لئی اوہناں اک اجیہا فیصلہ کیتا جیہدی اوہناں کولوں توقع نہیں سی۔ اوہناں سچی توبہ کر لئی تے رب اگے ہاڑا پایا کہ ربا سوہنیا ساڈیاں گناہواں دی سزا ایہناں معصوماں نوں تے نہ دے۔ ایہناں دا خیال کرتے مینہ ورھا۔

”لوؤ جی کہن والے کہندے نیں دسن والیاں دسیا اے سنن والیاں سنیا اے کہ اگلے دن منہ ہنیرے فجر دی بانگ توں پہلے اوہ بیبیاں چٹے کپڑے پا کے، جتیاں لاہ کے تے وال کھول کے اپنی ماڑی وچوں نکلیاں تے بے جا کھلوتیاں۔ مہندی رنگے

ہتھاں وچوں چھو پے کڈھے۔ کناں وچوں ڈنڈیاں مرکیاں کھچیاں، نکاں وچوں کوکے کڈھے تے دھرتی تے سٹ کے آکھن لگیاں۔ رہا سچا سوہنیا! پیر پنجر اں تے ولیاں نیماں دیا باویا۔ اسیں کون آں تے کیہ آں تینوں پتہ اے۔ کیہ ساڈا پیشہ اے تے کیہڑی ساڈی کمائی اے۔ تینوں علم اے۔ کیہ اسیں کیتا اے تے کیہ اسیں کردیاں آں تینوں معلوم اے۔ کیہ ساڈے نال ہونی ایں تے کیہ ساڈی آخرت اے۔ ایہدا بھید تیتھوں لکیا نہیں پر ساڈے کارن ایہناں مشوماں تے سختی نہ کریں تے ایس وستی دیاں لوکاں نوں ساڈے کرماں دی سزا نہ سنائیں۔ توں مالک گل جہاں داتے مختیار سارے جگ دا ایں۔ والی، داتا، پالنہار، رحیم کریم، غفور ایں۔ بندے ناں رہن۔ وستیاں مک جاں، ملک ٹٹ جان، ساگر ندیاں سک جان، پنچھی پکھیر و، مال ڈنگر، سپ سلو پی، کیڑے پتنگے، باگڑینہ، ہیریری گرمی سردی، شوکر ٹھاں ٹھاں ایہہ سب کش وی مک جان۔ فیروی تیراناں رہنا ایں۔ ایہہ سب کش ڈیہہ جائے فیروی تیرا ٹھاٹھ رہنا اے۔ فیروی تیری ذات رہنی اے۔ ایہہ ملک ملیر تے راج پاٹھ، تخت تاج تے محل ماڑیاں، سوہنیاں شکلاں اپے شملے، گھوڑے ہاتھی، کبر ہنکارتے شان گمان ایہہ کش نہیں رہنا۔ بس تیرا روپ تے تیری سوئی وجاہ رہ جانی اے۔ تینوں تیری رہن والی وجاہ تے غار حرا دی کھڑ وچوں باہر آن والے نبی ﷺ دا واسطہ مینہ پا۔ پانی بھیج، مردی خدائی نوں حیاتی دے تے سانوں معافی! ساڈی توبہ، اصلی تے سچی، پکی تے حقی توبہ۔

لوؤ جی ناں کوئی ویلا نہ کوئی موسم نہ کوئی آس امید۔ ہولی ہولی چڑھدے سورج پچھوں اک کالا بدل چڑھیاتے ویہندیاں ویہندیاں ساری دتی تے تنبو وانگوں تن گیا۔..... پیہیاں سجدے وچ پے گئیاں۔ جیوں جیوں پیہیاں کوکن، توں توں بدل گجے۔ پیہیاں بھوئیں تے رون۔ بدل آسماناں وچوں اتھرو سٹے۔ کل عالم وچ کر لانا پے گیا۔ ہنجاں تے کنیاں دا مقابلہ شروع ہو گیا۔ لوک تھاوں تھائیں، گھرو گھری تے وکھرے وکھرے منہ اتانہہ چک کے ہتھ بنھ کے کھلو گئے تے جدوں مینہ دا پانی تے ہنجاں دا پانی اک مک ہو کے اتیڑے اتے وگن ڈیہہ پیتے پیہیاں



سجدے و چوں سر چکیا۔ اپنیاں بھجیاں گنڈھڑیاں سراں تے چا کے راہے پے  
گنیاں۔“ (14)

ایس افسانے دی تکنیک داستان تے لوک کتھانال جڑت پاروں ایس نوں ایسں متھ  
کتھوی آکھ سکے آں، کیوں بے ایہدے وچ سچی توبہ دے بارے دسیا گیا اے تے نالے رب دی  
حکمت داوی ذکر اے کہ رب بے پرواہ تے بے نیاز اے۔ چا ہوے تے کسے نیک بندے دی بیتی  
تے ترلے نوں اپنے دربار وچ نہ قبولے تے جے کر چا ہوے تے کسے گناہواں دی پنڈ دا ہاڑامن  
کے لوکائی نوں سوکے دی مشکل وچوں کڈھ دیوے۔ ایس کہانی دا انداز اُنخ دا ای اے جیویں چوپال  
وچ بیٹھا داستان گو کسے پنڈ گراں دا قصہ چھیڑدا اے تے فیرانت ویلے رب تے رسول صلی اللہ علیہ  
وسلم نوں یاد کردا اے۔ لوک نثری بیانیہ دی روایت دیاں جڑاں بڑیاں گہریاں نیں تے ایس دے  
سیانیاں نے ایس بیانیہ نوں تن کھیتراں وچ ونڈیا اے۔

”لوک نثری بیانیہ بارے کہیا جاسکدا ہے کہ ایس دے وکھ وکھ روپ منکھی من دے  
وکاس دے نال، وکھ وکھ پڑاواں تے وکھرے وکھرے کردار ادا کر رہے ہن۔ اک  
ہور زاویے توں ایہہ کہیا جاسکدا ہے کہ لوک کہانیاں بچیاں لئی دنت کتھاواں،  
گھبرواں لئی اتے متھ کتھاواں، وڈی عمر دے لوکاں لئی سکھیا اتے تفریح دا ذریعہ  
بندیاں ہن، پر ویکھن وچ آیا ہے کہ لوک کہانیاں عام طور تے بچیاں دیاں تفریح  
لئی پہلی پیڑھی دے لوکاں جاں اوہناں دے وڈے ہانیاں ولوں سنائیاں جاندیاں  
ہن۔ بڈھیاں ماواں، دادیاں اتے بزرگ ایہہ کہانیاں چھوٹے بچیاں  
نوں سناوندے ہن اتے پھیر ایہہ بچے ایہناں کہانیاں نوں اپنے شبدان وچ  
اپنیاں ہانیاں نال سانجھیاں کر رہے ہن۔ دنت کتھاواں گھبرواں دا سرمایہ ہن اتے  
گھبرواں ایہناں نوں آپس وچ سندے سناوندے ہن۔ دنت کتھاواں گھبرواں  
نوں کچھ کرگزن لئی تیار کردیاں ہن۔ متھ کتھاواں زندگی موت اتے فطرتی ویہار  
دے گجھے بھیتاں اتے گجھلاں نوں سلجھاو لئی کوشش وچ لکیاں رہندیاں ہن۔  
ایہہ کیویں اتے کیوں ہو یا جیسے سوال دے تخیلاتی جواب ہن۔“ (15)

کرم دین قصہ گو، دی کہانی وچ کوئی اچھی گل نہیں جیہڑی سمجھ وچ آون والی نہ ہووے۔

ایہہ انداز تے ڈھنگ ایس نوں لوک نثری بیانیہ نال جوڑ دا اے تے ایہہ دے انت وچ کسبی عورتاں دا پنڈوں نکلناتے فیر مڑ کے نہ پرتناتے اوہناں دے محل منارے تے سجے سجائے کمریلاں دا کھلے بوہے مدتوں تیک نظر آوندے رہناتے پنڈ والیاں ڈردے مارے او دھر جان دی ہمت نہ کرنا اک کجھل وانگ نظر آوند اے ایس توں اڈ ہو کوئی کجھل یاں گہرائی انج دی نہیں جیہڑی ساڈیاں سوچاں توں دراڈی ہووے۔

ایس کہانی نوں کجھ دھرو کے اسیں لوک نثری بیانیہ ول وی لجا سکدے ہاں پر ایہہ اشفاق احمد ہوراں دی افسانوی اسلوب اک اجیہا انگ اے جیہڑا لوک نثری بیانیہ نال وی جڑیا ہو یا اے تے افسانے دی حقیقت نگاری دی تحریک دا پرچھاواں دی دکھالی دیندا اے۔ ایہہ کہانی ایس لئی وی سلاہن جوگ اے کہ ایہہ اماحول بڑا پُراسرار اے تے قاری اتے اخیر تک ایہہ نہیں کھلدا کہ ہن کیہ ہووے گا۔ نہیں تے ’اوس دا ویاہ‘ ورگیاں کہانیاں وچ قاری تے سب کجھ مڈھلے اکھراں وچ ای کھل جاندا اے کہ ہن اگے کیہ ہوون والا اے۔ سجاد حیدر ہویں ایس حوالے نال لکھدے ہن۔

”کہانی دا سبھ توں وڈا نقص ایہہ ہوندا اے پئی اوہدے اخیر نوں اپڑن توں پہلاں ای ہر شے اگوں صاف دس لگ پوے تے پتا لگ جائے کہ کہانی کیوں مک جاندی اے۔ ہونا ایہہ چاہیدا اے پئی کہانی دا اخیر ای اوہد انتظہ عروج وی ہووے تاں جو کہانی دے اخیر لے فقرے تیک پڑھن والے دی دلچسپی قائم رہوے۔ کہانی وچ کسے حل طلب معاملے بارے آخری حل نوں چھیکوے فقرے تیک پڑھن والے کولوں بھیت وچ رکھنا ای کہانی کا ردی کامیابی اے۔“ (16)

ایس کہانی دی بہتر کجھ انج دی اے کہ اخیر تیک پڑھن والا ایس کہانی نال اوسے طرح ای جڑیا رہندا اے جیس طرح پہلے اکھرتوں اوس دی شروع کیتی سی۔ اوہناں کسبی عورتاں دا پنڈ نوں چھڈ کے کسے نامعلوم ٹھکانے تے ٹر جانا تے واپس نہ پرتنا وی ایس کہانی نوں پر اسرار بنا وندا اے۔ جس کارن پڑھن والیاں دی سوچ کئی پاسے دوڑدی نظر آؤندی اے تے کئی خیال اوہدے ذہن وچ جمدے تے جو ان ہوندے نیں۔

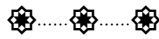
ایس مقالے وچ اشفاق احمد ہوراں دے پنج پنجابی افسانیاں تے گل کیتی گئی اے۔ ساڈی کھوج موجب اشفاق احمد دی کئی پنجابی کہانی دے اتے تبصرہ تے اک پاسے رہیا، ایہہ ساریاں کہانیاں کدھرے اکٹھیاں چھپیاں ہو یاں وی نہیں ملدیاں ایستھوں تیکر کہ پنجابی دے کسے سوجھوان

نے ایہناں پنجواں دے اک تھان تے کٹھے ناں تک وی درج کرن دی زحمت گوارا نہیں کیتی۔  
جدوں کہ ایہناں ساریاں کہانیاں نوں اک وکھرے مجموعے دی صورت منظر عام اُتے  
لیان دی لوڑ بہت پہلے پوری ہو جانی چاہیدی سی۔

☆☆☆☆

### حوالے

- 1- عصمت اللہ زاهد، ڈاکٹر: ادب پریت؛ اے ون پبلشرز لاہور، 1989ء ص 107
- 2- نصیر ملکی: راوی دیاں چھلاں؛ گورنمنٹ کالج، لاہور، 1964ء، ص 160
- 3- ایضاً، ص 161، 162
- 4- سجاد حیدر: چونویں کہانی؛ پنجابی ادبی بورڈ لاہور، 1986ء، ص 28
- 5- ایضاً، ص 12، 13
- 6- اشفاق احمد: اوس داویاہ (کہانی)؛ پنجابی ادب لاہور، مارچ 1060ء ص 24
- 7- اشفاق احمد: وسریاں یاداں؛ مشمولہ، راہ رواں؛ از بانو قدسیہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور  
2011ء، ص 544، 545
- 8- اشفاق احمد: بائیکل؛ مشمولہ، راہ رواں؛ ص 545
- 9- ایضاً، ص 546
- 10- ایضاً، ص 545
- 11- ایضاً، ص 546
- 12- استاد دامن: دامن دے موتی، فیروز سنز۔ ن، ص 98
- 13- ماہنامہ ادب لطیف، اشفاق احمد نمبر: (2005) لاہور، ص 620
- 14- ایضاً، ص 621، 622
- 15- ڈاکٹر جوگندر سنگھ کیروں: مضمون؛ لوک نثری بیانیہ مشمولہ سہ ماہی ”سنگری“ لاہور، ص 67
- 16- سجاد حیدر: چونویں کہانی؛ ص 41



**Majallah-e-Tahqiq**  
Research Journal of  
the Faculty of Oriental Learning  
Vol: 34, Sr.No.91, 2014, p 03 – 10

مجله تحقیق  
کلیه علوم شرقیه  
جلد 34 اپریل – جون 2013، شماره 91

## Islam and Kashmiri Society

\* Dr. Kh. Zahid Aziz

### **Abstract:**

Kashmir, which is a paradise on the earth, ruled at least five thousand years under different seven dynasties. The advancement of Islam in Kashmir after the 14<sup>th</sup> century is related to the missionary activities of a group of accomplished mystics of Iran and Central Asia. These preachers changed the putrid and declined society of Kashmir by preaching of Islam. They put this Bharhumn stricken society on the way of development and change.

Kashmir, where the world ends and Paradise begins, is a land of natural beauty. She has a rich history spread over a period of more than five thousand years preserved in written form. She was ruled under Hindus, Buddhists, Muslim Shahmeri Sultans, Mughal emperors, Afghan, Sikh and Dogra rulers at least five thousand years. She was a great Buddhist learning centre during the reign of Great Ashoka(1). Her geographical location made this territory hard to conquer. High mountain passes, the unbeatable defense of Kashmir, forced the generals like Mahmood Ghaznavi to return empty handed (2).

---

\* Assistant Professor, Dept. of Kashmiryat, University of the Punjab, Lahore.

The sparsely populated state of Jammu and Kashmir commonly known as Kashmir is situated at the central region of Asia and at the north of Sub-continent. The total area of the state is about 85,500 sq. miles(3). Kashmir is a Muslim majority state with Muslims accounting for 74.9% of the total population. Hindus constitute 22.6% and Buddhist 0.8%(4). Kashmir remained under occupation of Hindu rulers atleast four thousand years. Different religions like Nagmat, Hinduism, Buddhism, Jainmat, Shumat, Sikhism and Christianity flourished in Kashmir by different ways. But these could not exist in the valley for longtime. Islam was the only religion which made its way into Kashmir, not by forcible conquest but by gradual conversion, for which the influx of foreign adventurers both from the south and central Asia had prepared the ground(5). The first Muslim who entered Kashmir was Hamim, the Syrian(6). Muhammad Bin Qasim occupied sind in 712 A.D. and then proceeded to the boundry of Kashmir called the Panj Mahiyat, at the upper course of the Jehlum. This was about the time of caliphate of Walid I, 705-715 A.C. (7). When the contemporary Raja Chandrapida of Kashmir heard about approaching Arab army, he appealed to the chinese for help. But soon the Arab troops returned through the Southern ravines of Kashmir and subdued some of the tribes bordering on the Valley.

Hindu rulers of Kashmir were feared from the increasing power of the Arabs. Muktapida (725-753 AC) King of Kashmir also applied to the chinese emperor for aid against the Arabs who were advancing from their base in sind and Multan towards Kashmir(8). Arabs won a victory over the chinese in 751 A.C. and acquired Gilgit and other possessions(9).

Kashmir remained under a great threat of Arab invasion during the first half of the eighth century. For fear of Mahmud Ghaznavi's invasions, who made two abortive bids to conquer valley, the rajas of Kashmir fastened their doors and windows and did not allow anyone to enter the valley(10). But they soon revived their policy and threw the borders of Kashmir open to adventurous and fortune-seeking Muslims (11). Arabs attacked many times to conquer Kashmir. In the period of caliph Mansoor, Arabs occupied the Northern areas of Kashmir and in the time of caliph Hisham, they invaded Kashmir but the greatest King of Kashmir'

Lalitaditya, defeated them badly(12). In these circumstances, the Muslims, relations with Kashmir and their impacts on Kashmiri society were a fact. After the attacks of Arabs, the individuals like businessmen, visitors and preachers took way to Kashmir. There was also continuous movement of people between Kashmir and the Muslim-ruled neighbouring countries, particularly for trade purposes. It is important to mention that Central Asian horses were in considerable demand in Kashmir and this trade was mainly in the hands of central Asian Muslims. These Muslim traders frequently visited Kashmir for trade purposes and also influenced the Kashmiri Society by Islamic thoughts (13).

The presence of Muslims in Kashmir before the Arabs' attacks is a true fact. Marcopolo, the Venetian traveller, also refers the presence of Muslims in Kashmir about 1277 A.C.(14). During Hindu era, the Muslims hold high positions in the state apparatus and that too in a sensitive wing of government, namely military. There is a profuse evidence of Muslim captains being in the army of Ananta (1028-1063 A.D), Harsa (1089-1101A.D), Biksacara (1120-21A.D) and Jayasimha (1128-1149A.D) and that too in a large number (15). These Muslim soldiers certainly put Islamic impacts on Kashmiri society. Although they did not preach the Islamic principles among Kashmiri people yet they introduced Islam. Their living standard, social and cultural set up also influenced the Kashmiri Society.

The traders and visitors visited Kashmir not for the purpose of preaching Islam but they came to earn their benefits. Whereas the reference of preaching Islam in Kashmir, Islam never introduced into the valley by a conqueror like Mahmud, nor by a warriors like shihab-ud-Din, nor by a general like Muhammad Bin Qasim. Infact, the process was reversed. Islam was introduced by simple faqir, named Bulbul Shah, whose simplicity and piety impressed the reigning sovereign of the time (16). Kashmir, previous to the advent of Islam was a country of drunkards and gamblers, where women were no better than they should be(17). Mongols also invaded Kashmir and they created disturbance in the valley. The ruler of Kashmir, Sahdev, could not face difficulties and ran away to some other place.

On this occasion, Rinchan, who was a follower of Buddhism, Played a vital role for the betterment of the Kashmiries. He became the king of Kashmir. He was well-disposed towards Islam on account of his contact with Shahmir, the prime minister of Kashmir. He embraced Islam on the hands of Bulbul Shah. After the conversion of Rinchan, his brother-in-law and commander-in-chief and ten thousand people embraced the creed of Bulbul Shah (18).

He was the first Muslim ruler, who established the first Islamic Government (1320-1323 A.D) in Kashmir. He was introduced by his Islamic name Sadr-ud-Din. Previous to the advent of Islam, Kashmiries had introduced by different religions. These religions put negative impacts on Kashmiri society. They had disturbed the social structure of Kashmir. But when Islam introduced in the valley, the social and cultural structure of Kashmiri society entirely changed. The people of Kashmir welcomed this religion very warmly. The Muslim sultanate, which finally came into existence in 1339 A.D., was founded by a Muslim immigrant, Shahmir, who along with many other Muslim settlers from the neighbouring Muslim ruled territories, had settled in the valley and shown exemplary qualities of leadership to bail the people out of centuries of misrule and recurrent foreign invasions prompted by the internal chaotic conditions of Kashmir(19).

The conversion of the people of Kashmir to Islam was further encouraged by the arrival of a host of Sayyids. Prominent among these were sayyid Jalal-ud-Din of Bukhara, Sayyid Taj-ud-Din and Sayyid Husain Simnani. These two brothers were sent to Kashmir by Sayyid Ali Hamdani, revered for sanctity and eminent virtues, probably to survey the field for the propagation of Islam. Syed Ali Hamdani played a vital role in introducing Islam in Kashmir on a large scale. He visited Kashmir alongwith seven hundred sayyids in the reign of Sultan Shihab-ud-Din in 1372 A.C. (20).

Sultan Qutb-ud-Din, King of Kashmir, himself acknowledged the greatness of the sayyid Ali Hamdani is apparent from the fact that the Sultan who had married two sisters contrary

to the shariat, had to divorce one of his wives at the instance of Shah-i-Hamdan(21).

In stimulating the enforcement of Islamic Shariat, Shah Hamdan was succeeded by his son Mir Muhammad Hamdani. On entering the valley, he was accompanied by three hundred Sayyids. His father brought seven hundred of them. Kashmir had, therefore, a total influx of one thousand sayyids from Turkistan. Shah-i-Hamdan converted thirty-seven thousand to Islam, Bulbul Shah having already made ten thousand converts (22). The Muslim mystics considerably furthered the spread of Islam by their extreme piety and utter self-abnegation which influenced the people to a change of creed.

The missionaries of Turkistan and Central Asia promoted Islamic reforms for the building of healthy society in Kashmir. These preachers not only changed the religion of Kashmiries but also influenced on their living style, dresses, culture and traditions in positive way. Kashmiries, who were passing their lives according to directions of Pandits and Sadus, changed their directions and struggled hard for the achievements of their goals. Shah-i-Hamdan brought seven hundred Sayyids to Kashmir, they were not only the preachers but also the best artisans of the time. They introduced Irani art and culture among Kashmiries. The Kashmiries learned these arts and played an important role in the development and betterment of the economy of Kashmir (23). When economic condition of Kashmir improved, her trade relations developed with Afghanistan, Central Asia, Iran and India. Due to these social and trade links, political, social and economic style of Kashmiries changed and positive impacts put on the Kashmiri society.

Under the benign rule of King Zain-ul-Abidin the cultural influences from Central Asia and Persia were marked in all the spheres of arts, crafts and literature. He revived the Shawl industry as well as the carpet trade. Paper was also first introduced by him from Central Asia. The Persian language received his special patronage as a result of which Kashmir acquired great proficiency in this language producing later on such outstanding Persian poets as Ghani and Sarfi (24).



After the introduction of Islam in Kashmir, education promoted among all and sundry. Before Islam, only the Brahmins could get education. No other sect had right to get education. But the Muslim preachers promoted education also among the whole Kashmiries. Arabic and Persian languages promoted in Kashmir after preaching Islam and Persian declared the official language of Kashmir. In the period of Zain-ul-Abidin, the Pandits, who were true lovers of Sanskrit, preferred to learn Persian language and in the time of Darasikoh a regular university of Sufism was established in Kashmir (25). Due to the promotion of education in Kashmir, brotherhood, equality and Justice became the qualities of Kashmiri culture and civilization.

The cultural relations between Kashmir and central Asia are very old. The advancement of Islam in Kashmir after the 14<sup>th</sup> century is related to the missionary activities of a group of accomplished mystics of Iran and central Asia. These missionaries not only propagated their religion but also introduced Persian arts, craft, language and literature in Kashmir. Persian continued to remain the official language of Kashmir till 1907, when it was replaced by Urdu. Persian and Arabic languages both affected all aspects of Kashmiri literature. The Islam put positive impacts not only art and architecture but also music and poetry.

The arrival of Islam changed the putrid and declined society of Kashmir. Islam developed a new culture in Kashmir. Although the land of Kashmir had adopted every new doctrine and religion, added some elements in it. It was the era of conflict between Ideologies and goals. At one side there were shudhi, prejudiced Bharhumns and their religions monopoly while at the otherside there were the piousness and greatness of Muslim scholars. All the preachers of Islam who entered Kashmir put this Bharhumn stricken society on the way of development and change. Islam has entirely changed the fate of the Kashmiries.

### REFERENCES

- (1) Bamzai, P.N.K., *Culture and Political History of Kashmir*, Vol. I, New Delhi, 1994, P.73.
- (2) Singh, Upinder, *A History of Ancient and Early Medieval India*, India, 2009, P.572
- (3) Mir, G.M., *Kashmir Ki Jugrafiyai Haqeeqtain*, Mirpur, 1986, P.8.
- (4) Schofield, Victoria, *Kashmir in Conflict: India, Pakistan and the Unending war*, Newyork, 2000, P.15.
- (5) Stein, M.A., *English Translation of the Rajatarangni*, Vol.I, Westminster, 1900, P.112.
- (6) Sufi, G.M.D, *Dr. Kashir*, Vol.I, University of the Punjab, Lahore, 1948, P.76.
- (7) Elliott, H.M. & John Dowson, Prof., *History of India*, Vol.I, London, 1867, P.131
- (8) Cunningham, Alexander, *The Ancient Geography of India*, London, 1871, P.90.
- (9) Sufi, G.M.D, *Dr., Kashir*, Vol.I, University of the Punjab, Lahore, 1948, P.77.
- (10) Garadazi, Abdul Hai, *Zain-al-Akhbar*, Berlin, 1928, P.73.
- (11) Stein, M.A., *English Translation of the Rajataragni*, Vol.II, Westminster, 1900, P.188.
- (12) Iqbal, S.M., Dr., *The Culture of Kashmir*, Karachi, 1991, P.222.
- (13) Stein, M.A., *English Translation of the Rajatarangi*, Vol.I, Westminster, 1900, P.493.
- (14) Komroff, Manuel (Edited), *The Travels of Marcopolo*, New York, 1939, P.64.
- (15) Stein, M.A., *English Translation of the Rajatarangni*, Vol.I, Westminster, 1900, P.885
- (16) Sufi, G.M.D, Dr., *Kashir*, Vol.I, University of the Punjab, Lahore, 1948, P.116.
- (17) Lawrence, Walter, Sir, *The Valley of Kashmir*, London, 1985, P.189.
- (18) Sufi, G.M.D, Dr., *Kashir*, Vol.I, University of the Punjab, Lahore, 1948, P.83.

- (19) Stein, M.A., *English Translation of the Rajatarangni*, Vol.I, Westminster, 1900, P.26.
- (20) Sufi, G.M.D, Dr., *Kashir*, Vol.I, University of the Punjab, Lahore, 1948, P.86.
- (21) M. Akram, Sheikh, *Aab-i-Kausar*, Lahore, 1987, P.378.
- (22) M. Saadat Shah, Mufti, *Bulbul Shah Sahib*, Lahore, 1360 A.H., P.8.
- (23) Pandit, Ghulam Ahmed, Khawaja, *Kashmir and Central Asia*, Lahore, 1993, P.22.
- (24) Bamzai, P.N.K., *Kashmir and central Asia*, Lahore, 1995, P.218.
- (25) IBID , P.216.